ڈاکٹر تبسم کاشمیری

سن ستاون کی دلّی

It was the morning of 11th May. 1857 when the rebel forces from Meeruth crossed the Jumna boat bridge, enter in the city and marched towards the red fort. The King of Delhi Bahadur Shah was enjoying the horison while sitting in the musamman burj. The rebel forces forcefully entered in the fort and reached in the Diwan-e-Aam. They explained the causes of rebellion and requested the King for his patronization which half heartedly under their unbearable pressure. This paper reveals the story of Delhi in 1857. Delhi was a peaceful city till 10th May 1857. The people were enjoying their life under the symbolic kingship of Bahadur Shah. The city was in the firm control of East India Company. But on the 11th May Delhi became a centre of the revolutionary forces who were coming from all parts of India and they were steadily growing in large numbers. This paper tells the story of the revolution from its earliest days to its last days of September 1857. The present study has focused the

Scanned by CamScanner

day to day struggle of the freedom fighters. In the second week of September the British army received military help, they made a strong offence, defeated the freedom fighters, captured the city, imprisioned the King and destroyed the city and the civilians. The present study is based on the contemporary sources.

۱۰۔ مئی ۱۸۵۷ء کا دن دلی میں معمول کے مطابق گزرا تھا۔ شہر کی زندگی روزمرہ کے دستور کے مطابق رواں دواں رہی تھی۔ دلی بنک کاروبار کے لیے وقت پر کھلا اور بند ہوا تھا۔ شہر کی خبروں اور سرکاری احکامات پر مشتمل ''دلی گزٹ'' صبح کے وقت حسب معمول شائع ہوا تھا۔ دلی کی کچہری اپنے اوقات کار میں مصروف رہی تھی۔ دلی کے شمال میں دیمرچ پہاڑی (The Ridge) پر دیسی پلٹنوں اور انگریز افسروں کی پریڈ قاعدے کے مطابق ہوئی تھی اور وہاں فوجی بینڈ بجتے رہے تھے۔

جیمس سکنر (James Skinner) کے بنائے ہوئے سینٹ جیمس چرچ (St.James Church) میں شہر کی کرسچین آبادی دستور کے مطابق ہفتہ وار عبادت کی رسوم ادا کرنے کے لیے حاضر ہوئی تھی۔ اس موقع پر ان کے ساتھ بچے اور خواتین بھی آتی تھیں اور اس طرح سے یہ چرچ ان کے سماجی میل ملاپ اور گپ شپ کا ذریعہ بھی بن گیا تھا۔

سرِشام دلی کلب حسب معمول پر رونق ہونے لگا تھا۔ دن بھر کی لو اور گرمی سے تھکے ماندے یورپین کلب میں داخل ہونے لگے تھے ان لوگوں کے لیے دلی کلب کی یخ بستہ بیئر (Bear) شادمانی کا ایک بڑا ذریعہ تھی۔ تاش یا شطرنج کھیلتے، دلی کی زندگی کے مسائل پر بات چیت کرتے، کلکتہ، بیرک پور اور برہام پور کی فوجی ہلچل پر تشویش اور کارتوسوں کے مسئلے پر

Scanned by CamScanner

دیسی فوجیوں کا مزاج اڑاتے ہوئے یہ لوگ اس رات کے کھانے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو لوٹے تھے۔

یہ اتوار کا دن تھا اس لیے دلی شہر کی جدید درس گاہ "دلی کالج" میں ہفتہ وار تعطیل تھی۔ طلبہ اور اساتذہ اپنے اپنے گھروں میں آرام کرنے یا دری تیاریوں میں مصروف رہے تھے۔ شہر کی عدالتیں اور سرکاری دفتر بند تھے، اسی لیے اس صبح نیا محل کی سڑک سے مفتی صدرالدین آزردہ کی حویلی سے ان کی فٹن برآمد نہ ہوئی تھی۔ اس صبح مفتی صاحب نے سحری کھانے کے بعد نماز ادا کی اور پھر معمول کے وظائف کے بعد استراحت کر رہے تھے۔ لال قلعہ کے روز و شب دستور کے مطابق بسر ہو رہے تھے۔ بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا۔ عدالت کا دربار لگتا تھا۔ امیر، وزیر، بخشی، ناظر، وکیل، میر عدل، میر منشی، محرر، متصدی وغیرہ ہاتھ باندھے کھڑے نظر آتے تھے۔ اپنے اپنے محکموں کے کاغذات پیش کرتے تھے۔ میر عدل دارالانصاف کے مقدمے پیش کر رہا تھا۔ عرض بیگی دادخواہوں کی عرضیاں حضور میں گزار رہا تھا۔ حکم احکام جاری ہو رہے تھے۔ دارالانشاء سے کسی کے نام شقہ، کسی کو فرمان لکھا جاتا تھا۔ (۲)

چوں کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا اس لیے دن کے اوقات میں دکانوں کی رونق کم کم تھی۔ سہ پہر کے بعد جب سورج کے سائے لمبے ہونے لگے تو دلی کے خاص خاص بازاروں میں چھڑکاؤ گاڑیاں آہستہ آہستہ چھڑکاؤ کر کے زمین کے جھلسے ہوئے سینے کو ٹھنڈا کر رہی تھیں۔ دکانیں کھل چکی تھیں۔ بازار آباد ہوتے جا رہے تھے۔ چاندنی چوک میں گہما گہمی کا آغاز تھا۔ پالکیاں آ جا رہی تھیں۔ گھوڑ سوار دکانوں کی سیر کرتے ہوئے آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ جوہریوں، کپڑا فروشوں اور بناؤ سنگھار والوں کی دکانیں جگمگانے والی تھیں۔ جمنا کے پل کی طرف بڑھتے ہوئے قافلے شام ہونے سے پہلے پہلے شہر میں داخل ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ شہر کے گنبد اور بلند مینار ڈوبتے ہوئے سورج کی نارنجی کرنوں سے چمکنے لگے تھے اور شفق پہ دور تک نارنجی روشنی کا غبار پھیلتا چلا گیا تھا۔

Scanned by CamScanner

غروب آفتاب کے بعد افطاری کی توپ چلنے سے کچھ پہلے لال قلعہ سے خدام شاہی سروں پر افطاری کے بڑے بڑے خوان اٹھائے جامع مسجد کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہے تھے اور شور مچ رہا تھا کہ قلعہ سے افطاری آ گئی۔ روزہ داروں کے لیے یہ شاہی تبرک من وسلویٰ سے کم نہ تھا۔ مئی کا مہینہ تھا۔ شدید گرمی پڑ رہی تھی اور روزہ داروں کے حلق میں کانٹے محسوس ہو رہے تھے۔ اس امتحان میں روزہ دار ایک ایک پل گن گن کر کاٹ رہے تھے۔ کوری کوری جھجھریاں، صراحیاں، کافوری آب خورے اور پیالے چھوٹے چھوٹے تلکنوں پر رکھے ہوئے تھے۔ انگور، انار، فالسے اور دیگر میووں کے شربت گلاسوں میں رکھے گئے تھے۔ بادام پستوں کے نقل، چھوارے، کشمش وغیرہ طشتریوں میں تھے۔ (۳) بیسنی، روغنی میٹھی روٹیاں اور کچے تنوروں میں لگ رہے تھے۔ حسینی کباب اور تکے تیار کیے جا رہے تھے۔ (۴)

سورج غروب ہونے کی اطلاع ملنے پر روزہ افطار کرنے کا وقت ہوا۔ بادشاہ نے توپ چلانے کا حکم دیا۔ ہرکاروں نے جھنڈیاں ہلائیں اور دعائیں کی آواز بلند ہوئی۔ مکی کھجوروں یا چھواروں سے روزہ کھولا گیا۔ شربت پیے گئے اور میوے چکھے گئے۔ (۵)

۱۰۔ مئی کی رات بھی دلی شہر میں حسب معمول تھی۔ عشاء کی نماز کے بعد شہر کی مساجد تراویح پڑھنے والوں سے پررونق تھیں۔ لال قلعہ میں دیوان خاص کے اندر بادشاہ نے باجماعت نماز ادا کی۔ ڈیڑھ پارہ قرآن شریف کا تراویح میں سنا۔ پھر بیٹھک میں تشریف لائے۔ کچھ بات چیت کی۔ بھنڈا نوش کر کے پلنگ پر آرام کیا۔ ڈیڑھ پہر رات باقی رہی تو کل شاہی، نقار خانے اور جامع مسجد میں سحری کا پہلا ڈنکا سنائی دیا۔ سحری کے خاصے کی تیاری شروع ہوئی۔ دوسرے ڈنکے پر دستر خوان پر طعام چنے گئے اور تیسرے ڈنکے پر بادشاہ نے سحری کا خاصہ کھایا اور بھنڈا نوش کیا۔ پھر صبح کی توپ چلی اور کھانا پینا موقوف ہو گیا۔ کچھ دیر بعد نماز صبح ادا کی (۶) اور یوں ۱۱۔ مئی کی اس صبح کا آغاز ہوا جو اپنے دامن میں ایک عظیم طوفان لے کر طلوع ہوئی تھی۔ بہادر شاہ ظفر کا شہر کمپنی کے سائے میں حسب معمول بیدار ہو کر نئے دن کی سرگرمیوں

کا آغاز کر چکا تھا۔

علی الصبح دریائے جمنا دلی شہر کی نازنین عورتوں کے حسن و جمال سے تختۂ چمن بنا ہوا تھا۔ ہزاروں نازنینیں حسین رنگین ریشمی ساڑھیاں اوڑھے ہوئے کمر کمر پانی میں غوطے لگا رہی تھیں۔ اکثر شوخ کم سن، الھڑ پنے کے دن آپس میں چھلم چھلا ہو رہی تھیں۔ ایک معمر مہاراج موٹے تازے ننگ دھڑنگ ٹانگوں میں لنگوٹی، سر پر چوٹی جٹا لگائے ایک پتھر کے چھوٹے سے چبوترے پر ایک ہاتھ سے صندل گھستے جاتے تھے۔ دریا سے نکلنے والی نازنینوں کو وہ پیشانی پر صندل کا ٹیکہ لگاتے تھے اور ایک پنکھڑی تلسی ہاتھ پر رکھتے جاتے تھے۔ (۷)

۱۱۔ مئی کا دن دلی کے عام دنوں کی طرح سے ایک تھا۔ سب کچھ قاعدے اور دستور کے مطابق شروع ہوا تھا۔ صبح کے وقت چرچ میں روزانہ عبادت روزمرہ کے مطابق ہوئی تھی اور آنے والوں کا مختصر سا اجتماع فراغت کے بعد گھروں یا دفتروں کو فرائض کی ادائیگی کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ خزانہ اور محل شاہی میں ہفتہ وار ڈیوٹی دینے والے محافظین آج فارغ ہوئے تھے۔ شہر کے سول سرجن ڈاکٹر بالفور (Dr. Balfour) جیل اور ڈسپنسری کا چکر لگانے چلے گئے تھے (۸)۔ ۱۱۔ مئی کو دلی کے صدر الصدور نے صبح کا آغاز کس طرح کیا تھا، اس کا ایک منظر دیکھیے:

"صبح کا وقت تھا۔ عدالت اور کچہریاں اس ٹھنڈے زمانہ میں گرم ہوتی تھیں۔ ٹیا محل کی سڑک پر بڑی حویلی کے سربلند دروازے کے آگے مفتی صدرالدین صاحب صدر الصدور کی فٹن تیار کھڑی تھی۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل تھی کہ سوائے صدر الصدر کی دولت سرا کے شہر بھر میں فٹن گاڑی نہیں تھی۔ کیونکہ اس وقت فٹن عنقا سمجھی جاتی تھی۔ صدر الصدور صاحب چونکہ فرنگیوں کے نوکر تھے۔ اس لیے یہ انوکھی چیز آپ کے پاس تھی۔ اس گاڑی میں دو گھوڑیاں جتی ہوئی تھیں۔ یکا یک مفتی صاحب دیوان خانہ سے باہر تشریف لائے اور فٹن میں سوار ہو گئے۔ سامنے کی

Scanned by CamScanner

بیٹھک پر آپ کا پیشکار بیٹھ گیا اور اس نے کوچبان سے کہا کشمیری دروازہ میں ہو کر کچہری کو چلو۔ اتنا کہتے ہی فٹن چل دی۔ صبح کا سہانا وقت مردہ دلوں میں بھی امنگ پیدا کرتا تھا۔ گھوڑیاں فراٹے بھرتی انگھلیاں کرتی چلی جاتی تھیں جو سامنے کشمیری دروازہ آ گیا۔ کوچبین نے گھوڑیوں کی رفتار کو تھوڑا سا دھیما کیا، دروازہ کے برابر باہر کی طرف ایک سپاہی اوپچی بنا ہوا بندوق میں سنگین لگائے پہرہ پر کھڑا تھا۔ یہ قوم کا پوربیہ تھا اس لیے اس کا رنگ کالا اور قد بہت لمبا تھا۔ اس سنتری نے مفتی صاحب کو انگریزی قواعد کے موافق بندوق اور سنگین سے سلامی دی اور چند ہی منٹ میں مفتی صاحب اپنی کچہری میں پہنچ گئے۔ آپ کے کمرے میں دری چاندنی قالین کا فرش تھا۔ گاؤ تکیہ سے لگ کر بیٹھ گئے دو رویہ وکیل مختار مدعی مدعا علیہ چاندنی پر حاضر ہوئے اور عدالت گرم ہوئی۔ (۹)

اس سے لال قلعہ کا ثمن برج عکس شفق سے سنہری نظر آ رہا تھا۔ یہ بادشاہان تیموریہ کی خاص نشست گاہ تھی۔ یہ وہی برج تھا جہاں شاہ جہاں نماز فجر کے بعد جھروکوں میں بیٹھ کر درشن دیا کرتا تھا۔ اس دور سے یہ رسم بن گئی تھی کہ دلی کے بادشاہ ثمن برج کے جھروکوں میں بیٹھ کر درشنیوں کو درشن دیا کرتے تھے۔ اسی رسم کے مطابق ۱۱ مئی کو ظل سبحانی سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ ظفر ثانی فریضہ صبح سے فارغ ہو کر جھروکوں میں بیٹھے ہوئے وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ سواری کی تیاری تھی۔ تخت رواں جس کا سنہری ہودا تھا اس پر زربفت کی مسندیں لگی ہوئی تھیں اور کاشانی مخمل کا غلاف تھا، تسبیح خانہ کے صحن میں پڑا تھا۔ جہاں پر خواجہ سرا، خواص اور چند معزز درباری حاضر تھے اور ظل سبحانی کے برآمد ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ تسبیح خانہ کے چبوترے کے نیچے پچاس ساٹھ کہار سرخ بانات کی وردیوں اور سرخ پگڑیوں میں کمربستہ کھڑے تھے۔ ظل سبحانی نے اچانک جمنا کے پل کے جانب دیکھا تو حیران ہوئے کہ دریا کا کنارہ گرد و غبار،

Scanned by CamScanner

دھوئیں اور آگ سے تیرہ و تار ہو رہا تھا۔ میر بحری کے بنگلے میں آگ لگ رہی تھی اور شعلے آسمان کی جانب بلند ہو رہے تھے۔ رسالدار کو حکم دیا گیا کہ سوار بھیج کر خبر دو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ گھوڑ سوار ابھی رستے میں سلیم گڑھ کے پل پر ہی تھے کہ جمنا کی جانب سے بے تحاشا لوگ بھاگتے ہوئے ملے۔ ان سے یہ خبر ملی کہ دلی پر کوئی غنیم چڑھ آیا ہے۔ اس نے میر بحر کو مار ڈالا ہے۔ بنگلہ پھونک دیا ہے۔ مال کا صندوق اور گولک لوٹ لی گئی ہے۔ اسی وقت بادشاہ کی طرف سے حکم جاری کیا گیا کہ دریا کا پل توڑ کر کشتیاں کھینچ لی جائیں تاکہ غنیم اترنے نہ پائے۔ شہر پناہ کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں۔ کوتوال شہر کو کہا گیا کہ وہ حفاظت کی غرض سے کلکتہ دروازے پر خود حاضر رہے۔ (۱۰)

۱۱ مئی کی خبریں دیتے ہوئے "دلی اردو اخبار" اطلاع دیتا ہے کہ حکام وقت کو داروغہ پل نے یہ خبر دی کہ آج صبح چند ترک سوار میرٹھ سے آئے، پل عبور کر کے انہوں نے ہم پر ظلم کیا۔ محصول گھر کو لوٹا اور اسے نذر آتش کر دیا۔ حکام نے اسی وقت جلدی جلدی مشورہ کر کے خزانے کے محافظین کو تیار رہنے کا حکم دیا اور کچہری کے تمام عملہ میں یک دم کھلبلی مچ گئی۔ (۱۱)

مفتی صدرالدین کے پیش کار نے دوڑ کر ان کے کمرہ عدالت میں یہ خبر سنائی۔

"جناب عالی! غدر پڑ گیا۔ سرکار کمپنی کی فوج اس سے بگڑ گئی ہے۔ شہر میں دندناتی پھرتی ہے اور قیامت برپا کر رہی ہے۔ شہر کے سب دروازے بند کر لیے ہیں۔ حضور فٹن میں سوار ہوں اور کسی طرح شہر میں پہنچ جائیں۔ مفتی صاحب نے اس بیان کو حیرت سے سنا اور کہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ غالیچہ پر سے اٹھے اور باہر تشریف لائے اور گاڑی میں سوار ہو گئے۔ جب کشمیری دروازہ کے پاس پہنچے تو دیکھا دروازہ بند ہے اور دی پوربیہ سنتری بدستور پہرہ پر کھڑا ہے مگر تیور خراب ہیں اسے

کھولی [illegible] وہ داخل [illegible] کی بات کا جواب ہی نہیں دیتا تھا اور جو سب [illegible] سے چابی نہیں اور [illegible] کہہ کر پاس ادھر سے کھلواتے جاتے الٰہی الٰہی۔'' حالانکہ مفتی صاحب کی گاڑی کشمیری دروازہ کے پاس سے جاتی تھی اور سنتری مفتی صاحب کی گاڑی گھور کر دیکھ رہا تھا۔ مگر سلام نہ سلامی گویا ان تلوں تیل ہی نہ تھا۔ مفتی صاحب کو گھور صاحب کے آدمیوں نے انہیں منت تک دروازہ پیٹا اور چیخے کہ ''صدر الصدور کھڑے ہیں اور روزہ منہ میں ہے اور لو چلنے لگی ہے دروازہ کھولو۔'' مگر دربانوں کو سانپ سونگھ گیا تھا کوئی خبر نہ ہوئی۔ جھک ہو کر صدر الصدور صاحب کے پیش کار نے اسی پوربیہ سے کہا۔ ''ہزاری جی صدر الصدور صاحب بڑی تکلیف میں ہیں۔ آپ کہہ کر دروازہ کھلوا دیجیے۔'' ہزاری کا لفظ سن کر پوربیہ سنتری پھولا نہ سمایا اور اس نے کہا۔ ''اچھا حضور۔'' اور اس نے باہر سے دستک دی اور اندر والوں نے فوراً اتنا دروازہ کھولا کہ مفتی صاحب کی فنس داخل ہوگئی۔ شاید فنس کے پیچھے لگے ہوئے دو چار آدمی اور کشمیری دروازہ میں گھس آئے اور دربانوں نے جھٹ پٹ دروازہ بند کر کے قفل ڈال دیا اگرچہ مفتی صاحب سے کسی نے کچھ روک ٹوک نہیں کی مگر مفتی صاحب نے شہر کو لٹتے کھسٹتے بے گناہوں کو ظالموں کے پنجہ میں گرفتار ضرور دیکھا۔ مفتی صاحب اس جانگداز سیر کو دیکھتے آنسو بہاتے اپنے دولت خانہ میں داخل ہوگئے۔'' (۱۲)

جمنا کے پل کو روند کر دلی میں داخل ہونے والے وہ سپاہی تھے جو میرٹھ سے بغاوت کر کے دلی پہنچ رہے تھے۔ ہندوستان بھر میں انقلابی سرگرمیوں کے ذریعے کمپنی کو ہندوستان

سے لال پھیکے کے جذبے سے سرشار ہو رہے تھے۔ ان سپاہیوں کو روکنے کی بہت کوششیں کی گئیں مگر وہ روکے نہ جا سکے۔ سپاہیوں کے اولین گروہ ۹ بجے صبح دلی کے دروازوں تک آ پہنچے تھے اور جلد ہی انہوں نے لال قلعہ کے دیوان خاص اور تسبیح خانہ میں پہنچ کر بادشاہ بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست پیش کی۔ انہوں نے بادشاہ کے سامنے بیرک پور، برہام پور اور میرٹھ کے تمام واقعات عرض کیے۔ انگریزوں کے مظالم، ناانصافی اور ملک دشمنی کا ذکر کیا اور یہ کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ آپ ہمارے سروں پر اپنا ہاتھ رکھیں۔ ہماری سرپرستی کریں۔ سپاہیوں کی اس استدعا کا واحد مقصد یہ تھا کہ بہادر شاہ مغلوں کی روایت کے مطابق ہندوستان کے شہنشاہ بن کر راج کریں اور ہندوستان میں دوبارہ ہندوستانیوں کی حکومت بحال ہو جائے۔ بہادر شاہ کے لیے صورت حال ابھی تک واضح نہ ہو سکی تھی۔ اسے سپاہیوں کی طاقت، وسائل اور صلاحیتوں کا کوئی اندازہ نہ تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی غیر یقینی صورت حال کے سپرد نہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے انگریزوں کی عسکری طاقت کا اچھی طرح سے اندازہ تھا اس لیے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جس کے سبب مستقبل میں اسے مصیبت کا سامنا کرنا پڑے اس کا حال مطمئن تھا اور زندگی شادمانی سے بسر ہو رہی تھی۔ سپاہیوں کا ساتھ دینے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ انقلاب کی ناکامی سے اسے ان تمام آسائشات سے محروم ہونا پڑے گا۔ لہٰذا بہادر شاہ نے اس موقع پر نہایت بچی تلی تقریر کی اور انقلابیوں کی حوصلہ افزائی کرنے سے گریز کیا اور اپنے آپ کو اس انقلاب سے الگ رکھنے کی کوشش کی:

"سنو بھائی! مجھے بادشاہ کون کہتا ہے میں تو فقیر ہوں ایک تکیہ بنائے ہوئے اپنی اولاد کو لیے بیٹھا ہوں۔ بادشاہت تو بادشاہوں کے ہمراہ گئی۔ میرے باپ دادا بادشاہ تھے جن کے قبضہ میں ہندوستان تھا۔ سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی تھی۔ میرے جدوآبا کے نوکر چاکر اپنے خاندان نعمت کی اطاعت سے جداگانہ رئیس بن بیٹھے۔

Scanned by CamScanner

میرے باپ دادا کے قبضہ سے ملک نکل گیا۔ قوت لایموت کو محتاج ہو گئے۔ خصوصاً میرے جد بزرگوار حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی کو جب غلام قادر نمک حرام نے قید کر کے اندھا کیا تھا تو پہلے مرہٹوں کو طلب کیا گیا تھا اور انہوں نے اس نمک حرام کو کیفر کردار کو پہنچایا۔ حضرت بادشاہ کو قید سے چھڑایا۔ چند سال مرہٹے بادشاہ کی جانب سے مختار رہے۔ مگر بادشاہ کے صرف مطبخ کا بندوبست بھی نہ کر سکے۔ لاچار ہو کر میرے دادا نے جناب سلطنت برطانیہ رجوع کیا اور انگریزوں کو بلوا کر اپنے گھر کا مختار فرمایا اور ملک ہندوستان ان کے تفویض کیا اور ان لوگوں نے حسب دلخواہ اخراجات شاہی کا بندوبست کر دیا اور ملک میں امن وامان کا ڈنکا بجا دیا۔ اس روز سے آج تک ہم لوگ بہ عیش وعشرت تمام بسر کرتے چلے آتے ہیں۔ ہمیں کسی طرح کا فکر واندیشہ دامن گیر نہیں اور کمال خوش حالی و فارغ البالی وعیش وعشرت سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ لڑائی جھگڑے سے کچھ کام نہیں اس کا انسداد اور انتظام انگریز لوگ خود کر لیتے ہیں۔ میں تو اک گوشہ نشین آدمی ہوں مجھے ستانے کیوں آئے۔ میرے پاس خزانہ نہیں کہ میں تم کو تنخواہ دوں گا۔ میرے پاس فوج نہیں کہ میں تمہاری امداد کروں گا۔ میرے پاس ملک نہیں کہ تحصیل کر کے تمہیں نوکر رکھوں گا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ مجھ سے کسی طرح سے توقع استعانت کی نہ رکھو۔ تم جانو یہ لوگ جانیں۔ ہاں ایک امر میرے اختیار میں ہے البتہ وہ ممکن ہے کہ میں تمہارے درمیان میں ہو کر انگریزوں سے تمہاری صفائی کرا سکتا ہوں۔" (۱۴)

دلی میں میرٹھ کے انقلابیوں کی آمد کی خبر یورپین حلقوں میں تیزی سے پھیل گئی۔ یہ

خبر سب سے پہلے مجسٹریٹ ہچنسن (Hutchison) کو موصول ہوئی جو اس وقت کچہری میں مصروف کار تھا۔ اس کے بعد جج لے باس (Le Bas) کمشنر سائمن فریزر اور سب سے آخر میں چیف پولیس مٹکاف تک بھی پہنچ گئی۔ (۱۵) ہچنسن (Hutchison) اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر چھاؤنی کی طرف گیا تا کہ شہر میں داخل ہونے والے سپاہیوں کی روک تھام کرنے کے لیے فوج کو تیار کروایا جائے۔ کمشنر سائمن فریزر (Simon Fraser) کا سرکاری دفتر اور رہائش کشمیری دروازے کے شمال میں لڈلو کیسل (Ludlow Castle) میں تھی۔ جب یہ خبر لڈلو کیسل میں پہنچی تو فریزر اس وقت غسل خانہ میں تھا۔ خبر سن کر وہ اچانک چونک اٹھا یہ کہا جاتا ہے کہ میرٹھ کے واقعات کے بارے میں آگاہی کے لیے اسے ۱۰۔مئی کی رات اطلاع موصول ہوئی تھی مگر اس وقت شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ کل صبح تک کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اقدامات نہ کیے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ رات گیارہ بجے میرٹھ سے آنے والے سوار نے اسے ایک چٹھی لا کر دی تھی۔ فریزر اس وقت نیند کے غلبے میں تھا۔ معمولی چٹھی سمجھ کر جیب میں رکھ لی اور سو گیا۔ فریزر دلی کا کمشنر اور گورنر جنرل کا ایجنٹ تھا۔ اس حیثیت سے وہ سب سے ذمہ دار افسر سمجھا جاتا تھا۔ وہ فوراً بگھی میں بیٹھ کر قلعہ کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں انقلابیوں نے اس پر حملے کیے مگر وہ قلعہ تک جا پہنچا۔ بہادر شاہ سے صلاح مشورے کے بعد اس نے انقلابی دستوں کو سمجھانے کی کوشش کی انہیں خدا اور انجیل کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ بغاوت سے باز آ جائیں۔ (۱۸) مگر سپاہی اس کی باتوں سے متاثر نہ ہو سکے۔ اسی دوران میں ایک سپاہی نے طیش میں آ کر کمشنر فریزر پر گولی چلا دی۔ نشانہ خطا گیا، گولی تسبیح خانہ کے ایک ستون سے جا ٹکرائی۔ قلعہ کے کمان دار کیپٹن ڈگلس (Captain Douglas) کی رہائش قلعہ کی بالائی منزل پر تھی۔ فریزر اوپر جانے والی سیڑھیوں پر تلوار تھامے کھڑا تھا۔ قلعہ کے محافظ دستے کا ایک اردلی مغل بیگ آگے بڑھا اور اس نے تلوار کے ایک ہی وار سے اسے گرا دیا۔ اس کے بعد سپاہیوں نے کام تمام کر دیا۔

Scanned by CamScanner

ڈگلس (Douglas) کی رہائش گاہ میں اس روز بطور مہمان بھی قیام پذیر تھے۔ اس کے مہمان جیننگز (Jennings) نے صبح کے وقت ٹیلی سکوپ کی مدد سے پل کے پار سے آنے والی سپاہ کی یلغار دیکھی اور خطرے کو بھانپ لیا تھا۔ فریزر کے قتل کے بعد انقلابی سپاہ نے ڈگلس کی رہائش کا رخ کیا اور وہاں کپتان ڈگلس کے علاوہ، ہچنسن (Hutchinson) جیننگز (jenning) خواتین کو ہلاک کر دیا۔

> "دوپہر سے پہلے قلعہ کا صحن اور راہداریاں انقلابیوں سے پر ہو چکی تھیں۔ وہ ننگی تلواریں لیے للکارتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو پکارتے تھے۔ یہ تھرڈ کیوالری، ۳۸ ویں رجمنٹ اور میرٹھ انفنٹری (Merth Infantery) کے سپاہی تھے۔ دیوان عام میرٹھ سے آنے والے ہمارے سپاہیوں کی بیرک (Barrack) بن گیا تھا جہاں وہ گند ڈال رہے تھے۔ پورے محل میں محافظ تعینات کر دیے گئے تھے۔ بے بس بادشاہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے محل پر فوج نے قبضہ کر لیا تھا۔" (۴۰)

انقلابی سپاہ کی کارروائیوں سے دلی شہر میں زبردست ہلچل مچ گئی تھی۔ سپاہی جگہ جگہ دوڑ دھوپ کر کے یورپین لوگوں کو تلاش کر کے تہ تیغ کرتے جا رہے تھے۔ پورے شہر میں جنگ جیسی حالت طاری تھی۔ "دلی اردو اخبار" کے رپورٹر نے ۱۱۔ مئی کے ان چشم دید واقعات کو دیکھا تھا۔ ہم اس کی رپورٹ کے کچھ حصے یہاں درج کرتے ہیں جن سے ۱۱۔ مئی کا زندہ منظر نامہ ہماری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے:

> "کشمیری دروازے سے لوگ بلا تحاشا بھاگے چلے آتے ہیں۔ مگر چونکہ حقیر کو تفریح طبع اور پاس خاطر اپنے ناظرین کا جان عزیز سے عزیز تھا۔ لہٰذا بے تکلف واسطے دریافت حال کے سیدھا اسی طرف روانہ ہوا کہ زیر کوٹھی سکندر صاحب (Skinner) پہنچ کر ایک آواز بندوقوں کی باڑ کی

سامنے سے سنائی دی اور آگے چلا تو دیکھا کہ صاحب بہادر بچول شمشیر برہنہ اور کف سراسیمہ و بدحواس بے تحاشا بھاگے چلے آتے ہیں اور پیچھے پیچھے ان کے چند تلنگے بندوقیں سر کرتے چلے آتے ہیں اور عوام شہر بھی کسی کے ہاتھ میں لکڑی اور کسی کے ہاتھ میں پلنگ کی پٹی، کسی کے ہاتھ میں بانس کا ٹوٹا اس کے درپے چلے آتے ہیں۔ بلکہ بعضے بعضے آدمی شہر کے ہی چلا کر دور سے مار بھی بیٹھتے ہیں۔ وہ سب انگریز کو لیے ہوئے جانب زینت باڑے سے نہر کی طرف لے چلے اور حقیر بجانب میدان نصیر گنج چلا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ فخر المساجد کے آگے بیس پچیس تلنگے مسجد میں گئے اور پیہم بندوقیں مار کر سب کو بندوقوں کی راہ سے سیدھا ملک عدم پہنچا دیا۔ آگے بڑھے تو پیش گرجا گھر اور زیر کوٹھی کانس صاحب دیکھا کہ دو سو تین سو ترک سوار اور تلنگے کھڑے ہوئے ہیں اور ان میں متفرق ہو کر ادھر ادھر پھیلتے جاتے ہیں اور ایک ایک سے سوال ہے کہ بتلاؤ انگریز کہاں ہیں اور جو کوئی پتا نشان بتلاتا تھا ان ہی میں سے دو چار سپاہی فوراً اس کے ساتھ ہو لیتے تھے اور ایک آنا فانا میں دیکھا گیا کہ جس کوچہ میں دیکھو دو تین انگریز مرے ہوئے پڑے ہیں ایک ایک کوٹھی میں گھس گھس کر انگریزوں کو معہ زن و فرزند تہ تیغ کیا اور جو بچ کر کسی کے گھر کوچہ و بازار کی موریوں میں جا چھپا وہ اس وقت بچ رہا۔ کوٹھیوں کا مال اسباب لٹ گیا۔ گرجا گھر اور کچہری کی تمام کرسیاں اور میزیں اور بلکہ فرش زمین وغیرہ سنگ مرمر تک بھی لوگ اٹھا لائے۔ بعد تھوڑی دیر کے حقیر بطرف میگزین گیا تو مسجد نواب حامد علی خاں سے آگے بڑھ کر دیکھا کہ نکسن صاحب سر دفتر کمشنری کا لاشہ پڑا ہے اور کسی

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible] کر ایک عمارت کی چھت پر [illegible]

[illegible] کے مخبر [illegible]۔ (۲۳)

[illegible] بھی یہی حال ہوا۔ اس صبح مشنری کے عیسائی کارکن [illegible]

دلی پہنچی کی انقلابیوں [illegible] خوف زدہ تھے۔ تار برقی صبح سویرے کی یہ خبر لے آیا تھا کہ میرٹھ کے باغی دلی کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے اور جلد ہی شہر کے دروازوں پر ہوں گے۔ دلی گزٹ کا عملہ ہنگامی اشاعت میں یہ خبر شائع کر کے خود اپنی موت کے وارنٹ کا اعلان کر چکا تھا۔ دوپہر کے بعد دلی گزٹ پر بھی انقلابی سپاہ نے حملہ کیا، عملے کو ہلاک کر کے دفتر تباہ کر دیا۔ (۲۴)

دلی کالج، دلی شہر کی سب سے ممتاز جدید علوم کی درس گاہ تھی۔ ۱۱۔ مئی کی دوپہر کو یہ درس گاہ دلی کے شہریوں اور سپاہیوں نے لوٹ لی۔ اس درس گاہ کی میز کرسیاں، نہایت قیمتی سائنسی آلات، کتب خانہ، نقشہ جات وغیرہ لوگ لوٹ کر لے گئے۔ کمروں کی چوکھٹ اور دروازے تک نکال لے گئے۔ مولوی ذکاء اللہ دلی کالج کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کالج کا کتب خانہ بری طرح لوٹا گیا۔ ڈھیرے عربی، فارسی، اردو، وغیرہ کی کتابیں گٹھریاں باندھ باندھ کر کتب فروشوں، مولویوں اور طلبہ کے پاس فروخت کرنے کے لیے لے گئے۔ ان لوگوں نے انگریزی کتب کے شیرازے توڑ کر ان کے پٹھے اتار لیے تاکہ جلد سازوں کے پاس پہنچ سکیں اور اوراق کو پھاڑ کر کالج کے باغ میں ڈھیر لگا دیے۔ آلات طبیعہ کو توڑ کر ان کا لوہا اور پیتل نکال کر لے گئے۔ عمارت کو آگ نہیں لگائی مگر کواڑ وغیرہ اتار کر لے گئے۔ سارا اسباب الماریاں، بنچ، کرسیاں، پرنسپل اور ہیڈ ماسٹر کا گھر لوٹ لیا گیا۔ (۲۵) دلی کالج کا پرنسپل ٹیلر بھی اسی ہنگامی حالت میں مارا گیا۔ دلی کے اعلیٰ انتظامی افسروں میں سے شاہد تھیوفلیس

(Theophilus Metcalfe) کی زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ وہ دلی کے مشہور ریذیڈنٹ ٹامس مٹکاف Thomas Metcalfe کا بھتیجا تھا اور اس وقت شہر کا جوائنٹ مجسٹریٹ تھا۔ شہر کے اندر اس پر متعدد حملے ہوئے مگر وہ بچ گیا۔ شہر پناہ کے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ شہر کے باہر ایک عام آدمی نے اسے ایک پرانے غار میں پناہ دلوائی۔ انقلابی سپاہ نے غار کے اندر بھی اس کا پیچھا کیا۔ مٹکاف نے غار میں آنے والے ایک سپاہی کا سر قلم کر دیا جس پر سپاہیوں نے یہ سمجھ لیا کہ غار میں کوئی خبیث روح موجود ہے۔ سپاہی دہشت زدہ ہو کر واپس چلے گئے اور مٹکاف وہاں سے بچ کر آگے روانہ ہو گیا۔ (۲۶) دلی کے کشمیری دروازے کے اندر کرنل جیمس سکنر (James Skinner) اپنے دور کی ایک داستانی شخصیت تھا۔ اس کی کوٹھی اپنی شان و شوکت کے سبب بہت مشہور تھی۔ ۱۸۰۳ء میں دلی پر لارڈ لیک (Lord Lake) کے قبضے کے بعد سکنر (Skinner) کے اریگولر کیولری یونٹس (Irregular Cavalry Units) سکنر ہاؤس (skinner House) کے نام سے بہت مشہور تھے۔ اس نے نہ صرف فوج میں بڑا نام کمایا تھا۔ بلکہ تجارت میں بھی بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ (۲۷) دلی اردو اخبار کے رپورٹر کے مطابق سکنر کی کوٹھی اس قدر لوٹی گئی کہ بیان سے باہر ہے۔ (۲۸)

۱۱۔ مئی کے واقعات میں بہت اہم واقعہ دلی کے بارود خانہ کا دھماکہ تھا۔ دلی کا معروف بارود خانہ کشمیری دروازے کے جنوب مشرق میں فصیل شہر کے ساتھ تھا۔ قلعہ سے دور نہ تھا۔ بارود خانہ کی نگرانی یورپین افسروں کے سپرد تھی۔ شہر پر قبضہ کر لینے کے بعد سپاہیوں نے بادشاہ کی طرف سے یورپین عملہ کو بار بار یہ پیغام دیے کہ وہ عمارت کے دروازے کھول دے اور بارود خانہ انقلابی فوج کے سپرد کر دیا جائے۔ مگر ان پیغامات کا جواب نہیں دیا گیا۔ عملہ نے ہر ممکن حد تک فوج کا مقابلہ کیا اور آخری حربے کے طور پر بارود خانہ کو نذر آتش کر دیا۔ یہ شام چار بجے کا وقت تھا جب قیامت خیز دھماکے کی آواز سنائی دی تھی۔ (۲۹) ''دلی اردو اخبار'' کے مطابق اس ایک زلزلہ بآواز مہیب معلوم ہوا تھا۔ یوں لگا کہ اسرافیل نے صور قیامت پھونک دیا ہو۔

Scanned by CamScanner

[illegible] انقلابی کم مگر شہری لوگ زیادہ [illegible] (۳۰) [illegible] (۳۱) [illegible] ایک ساتھ چھوڑ دی گئی ہوں۔ (۳۲)

۱۱ مئی کے انقلاب کے نتیجہ میں دلی سے کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور بہادر شاہ بادشاہ بن چکا تھا۔ مگر سپاہیوں کی بدنظمی، [illegible] اور لوٹ مار کے واقعات کے باعث ۱۱ مئی کی شام آزادی کے جشن کی جگہ ایک ویران اور لٹے پٹے شہر کا منظر پیش کر رہی تھی۔ ظہیر دہلوی نے شام کے وقت قلعہ سے باہر نکلنے کے بعد جو منظر دیکھا وہ اس شام کا ایک جائزہ پیش کرتا ہے:

"دیوان عام کے چوک میں ہوتا ہوا نقار خانہ کے دروازے سے نکل کر قلعہ کے لاہوری دروازہ سے باہر آیا۔ شام کی تاریکی پھیل گئی۔ جب میں اردو بازار کی سڑک پر آیا ہوں تو شہر میں سناٹا تھا۔ سڑک پر ایک چڑیا نہ تھی۔ ایک عجیب بے رونقی تھی۔ شہر کا شہر کھانے کو دوڑتا تھا۔ جابجا دوکانیں لوٹی پڑی تھیں۔ مکانوں کے دروازے بند تھے۔ روشنی کا نام نہ تھا۔ لالٹینوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے میں خونی دروازہ کے آگے ہوتا ہوا کوتوالی کے سامنے سے گزر کر چھوٹے دریبہ کے پھاٹک پر پہنچا اور چھوٹے دریبے میں چڑے والوں، مٹھائی والوں اور بزازی کی دکانیں سب ٹوٹی ہوئی پائیں اور صراف کی دکان پر ایک الھونی فقیر برہمن زخمی پڑا ہوا تھا۔ وہ ہائے ہائے کر رہا تھا۔ اس کی پشت کے اوپر تین زخم ہلکے ہلکے تلوار کے تھے۔"(۳۳)

۱۲۔ مئی کو بھی شہر ہنگامی صورت حال میں گرفتار تھا۔ "دلی اردو اخبار" جو انقلاب کا بڑا

Scanned by CamScanner

مداح تھا۔ کہتا ہے کہ شہر بہت لوٹا جا رہا ہے۔ بہت سے لوگوں نے یہ طریق اختیار کیے ہیں کہ تلنگوں کی صورت بنا کر شہر میں لوٹ مار کر رہے ہیں۔ انہوں نے میگزین اور انگریزوں کی کوٹھیوں سے بندوقیں، اسباب و آلات وغیرہ کی لوٹ مار کی ہے۔ (۳۴) "دلی اردو اخبار" اس بات کی مسلسل شکایت کرتا ہے کہ رعایا لوٹ مار کے سبب بہت تنگ، حیراں اور سرگرداں ہے۔ کیا شہری اور کیا باہر والے بیشتر لوٹ مار کر رہے تھے۔ تھانہ جات کی عمل داری اور طاقت پہلے کی نسبت عشیر عشیر بھی نہیں رہی تھی۔ (۳۵) شہر کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ لوٹ مار کرنے والے پوربی سپاہیوں کو ساتھ لیے پھرتے تھے۔ جہاں کوئی مال دار گھرانہ دیکھتے تو سپاہیوں کو کھڑا کر کے اہل خانہ پر الزام لگاتے کہ یہاں میم چھپی ہوئی ہے یا انگریز موجود ہیں۔ اس بہانے سے وہ گھر کے اندر گھس کر تلاشی لیتے اور مال و دولت لوٹ لیتے تھے۔ یہ تو شہر کا حال تھا۔ ۱۲۔ مئی کی صبح کو چھاؤنی میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ جلے ہوئے بنگلوں کے آثار موجود تھے۔ مال و اسباب بکھرا پڑا تھا۔ یہاں تین دیسی پلٹنیں مقیم تھیں وہ توپ خانہ لے کر شہر میں آ گئی تھیں اور اپنے یورپین افسروں کو جہاں تک ممکن ہوا تہ تیغ کر چکی تھیں۔ دلی شہر اور نواحی علاقوں کے تمام یورپین پہاڑی (Ridge) کے فلیگ سٹاف ٹاور میں حفاظت کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ دیسی سپاہیوں کو مکمل طور پر انقلابی روپ میں دیکھ کر اب ان کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ مقام محفوظ نہیں ہے۔ چنانچہ یہاں سے یورپین افسر مع ان کے خاندان چھپ چھپا کر انبالہ، میرٹھ اور کرنال جیسے مقامات کی طرف جاتے رہے۔

یورپین خاندانوں کے بہت سے بچوں اور عورتوں کو محل میں پناہ دی گئی تھی۔ بہادر شاہ کا حکم تھا کہ ان کی حفاظت کی جائے مگر ۱۶۔ مئی کو انقلابی سپاہ نے جوش انتقام سے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ان کی تعداد پچاس تھی۔ اس حادثے سے خوف زدہ ہو کر سب یورپین فلیگ سٹاف ٹاور سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ ۱۶۔ مئی کے بعد دلی شہر اور چھاؤنی میں ایک بھی یورپین موجود نہ تھا۔ (۳۶) دلی سے کمپنی کی حکومت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی شہر کا نظم و

Scanned by CamScanner

[illegible] عملی طور پر [illegible] ہو گیا تھا۔

ستمبر ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک (Lord Lake) کے دلی پر قبضے کے بعد سے ۱۸۵۷ء تک دلی شہر کمپنی کی انتظامیہ کے اہتمام سے چل رہا تھا۔ شہر کا کمشنر، مجسٹریٹ، ریذیڈنٹ اور دیگر افسران شہر کے انتظام، عدالتی نظام، امن و امان اور دیگر ضروری امور پر کڑی نظر رکھتے تھے، ان میں قلعہ سے متعلق معاملات بھی تھے۔ (جو بہت حساس نوعیت کے حامل سمجھے جاتے تھے) دلی شہر کا ریذیڈنٹ جو عموماً بہت سمجھا ہوا افسر ہوتا تھا۔ یہ خدمات انجام دیتا تھا۔ بادشاہ، محل اور اہالیان قلعہ کی نقل و حرکت، دربار کے کوائف، شاہی خاندان کے عزائم حتیٰ کہ ان کے نجی معاملات کی بھی برابر خبر رکھی جاتی تھی۔ یہ ناممکن تھا کہ شاہی خاندان کسی بھی قسم کی منصوبہ بندی کا عزم کرے اور اس کی خبر ریذیڈنٹ تک نہ پہنچ سکے۔ قلعہ کے اندر باہر اوپر سے نیچے تک ہر سطح پر کمپنی کے جاسوس اور گماشتے موجود رہتے تھے جو اپنے آقاؤں کو قلعہ سے متعلق دن بھر کی روداد پیش کرتے تھے جس کی ایک مثال جیون لال ہے جو ہر شام قلعہ کی رپورٹ شہر کے حکام کو پیش کیا کرتا تھا۔

۱۱۔ مئی ۱۸۵۷ء کو شہر کا مجسٹریٹ تھیوفلیس مٹکاف (Theophilus M etcalte) تھا۔ وہ ایک سخت گیر افسر تھا اور شہر کے امن و امان اور جان و مال کی حفاظت کا ذمہ دار تھا۔ دلی کا کمشنر شہر کے مجموعی انتظامات کی نگرانی کرتا تھا۔ وہ شہر کے تمام شعبوں کا جائزہ لیتا رہتا تھا۔ شہر میں عدل و انصاف کے لیے عدالتیں قائم تھیں جن میں یورپین جج مقرر تھے اور دلی شہر کے مفتی صدر الدین یہاں کے صدر الصدور بھی تھے۔ شہر میں لین دین اور روپے پیسے کی بچت اور حفاظت کے لیے دلی بنک موجود تھا جو شہر کے اقتصادی معاملات کے لیے یورپین طرز کی سہولتیں فراہم کرتا تھا۔ شہر اور سرکاری خبروں کی اشاعت کے لیے ''دلی گزٹ'' (Delhi Gazette) تھا [جس] سے شہر کی ایک عمومی تصویر سامنے آجاتی تھی۔ اسی طرح سے کچہری اور خزانہ تھا جو شہر کی [انتظ]امی اور مالی ضروریات کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا تھا۔ شہر کے شمال حصے میں دور تک [...] پھیلی ہوئی تھی۔ یہیں دھیرج پہاڑی (Ridge) پر فلیگ سٹاف ٹاور (Flag staff

(towers) تھا۔ چھاؤنی میں دیسی فوج کی پلٹنیں اور چوکیاں موجود تھے جو شہر کی حفاظت و نصرت اور کمپنی کے انتظام اور تحکم کی علامت کا درجہ رکھتے تھے۔ چھاؤنی کی عسکری طاقت اور رعب و دبدبہ سے ہی دلی شہر کا عوامی ڈھانچہ خوش اسلوبی سے رواں دواں رہتا تھا اور شہر روزمرہ معمولات کے مطابق سوتا اور جاگتا تھا۔ کمپنی کے بنائے ہوئے اس ڈھانچے سے دلی شہر [illegible] نصف صدی سے جاگیرداری تہذیب و ثقافت کو سینے سے لگائے ہوئے اپنے دن پورے کر رہا تھا۔

۱۱۔ مئی ۱۸۵۷ء کو جب میرٹھ کے سپاہی دلی میں داخل ہوئے تو یہاں کی صورت حال یکسر تبدیل ہوتی گئی۔ ان سپاہیوں نے پچھلی ایک صدی کا بدلہ لینے کے لیے غیر ملکی آقاؤں کو قتل کرنا شروع کیا یا ان کو شہر سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ ان غیر ملکی آقاؤں کے رخصت ہونے کے ساتھ ہی ان کا بنایا ہوا انتظامی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ شہر کا مرکزی انتظام، امن و امان، جان و مال کی حفاظت، انصاف، عدالتی نظام اور نوآبادیاتی چھاؤنی کی عسکری طاقت بھی بکھر کر رہ گئی۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ کسی کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

۱۰۔ مئی کی رات کو بہادر شاہ دلی کے علامتی بادشاہ کی حیثیت سے سویا تھا۔ مگر دوسری صبح باغی سپاہ نے اسے ہندوستان کا شہنشاہ بنا دیا تھا۔ اس بات کا گمان اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ کمپنی کا انتظام و اہتمام ختم ہو جانے کے باعث جو بہت نازک صورت حال پیدا ہو گئی تھی بہادر شاہ اس میں کوئی بھی کردار ادا کرنے سے گریزاں تھا۔ اس سیال سیاسی حالت میں وہ اندر سے خائف بھی معلوم ہوتا تھا کہ اگر انگریز آ گئے تو کیا ہوگا۔ اس لیے انقلابی سپاہ کے سامنے اس کا انداز تخاطب معذرت ہی کا تھا۔ وہ اس مشکل سے نکلنا چاہتا تھا مگر باہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔ مجبوراً اسے شہنشاہ بننا پڑا۔

۱۱۔ مئی ۱۸۵۷ء کے روز جب دلی کے لال قلعہ میں بہادر شاہ کی شہنشاہی کا اعلان

ہو تو اس وقت شہر مکمل طور پر لاقانونیت کا شکار ہو چکا تھا۔ شہر کے سپاہی۔۔۔ دلی چھاؤنی کی
شہر کے بہت سے لوگ لوٹ مار میں لگ گئے تھے یا قتل و غارت کر رہے تھے۔ کسی کا کوئی انتظام نہ
ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ خود کو ہر قسم کی پابندی، قاعدے اور قانون سے آزاد سمجھنے لگے تھے۔ ایسے حالات
میں شہر کا انتظام دلی کے بوڑھے شہنشاہ کی ذمہ داری بن گیا۔ کمزوری کے باعث اس کے لیے
بار گراں تھا۔ اس کے ساتھ ہی انقلابی سپاہیوں کی عسکری تنظیم کا کام بھی اسے سنبھالنا پڑا۔ ۱۱ مئی
کے بعد آنے والے ایام میں فوجی اخراجات کی ذمہ داری بھی اس کے سر آن پڑی۔ ایک
بوڑھے بے اختیار شہنشاہ کے لیے واقعتاً ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا بہت ہی مشکل تھا اور
وہ بھی اس صورت میں کہ اسے ان معاملات کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ وہ تو ایک پنشن یافتہ شخص کی طرح
گوشۂ عافیت میں زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ مگر ۱۱ مئی کی سیاسی صورت حال نے اسے شہر،
فوج اور مالیات سے متعلقہ تمام امور کو چلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے پاس انتظام عامہ کو
سنبھالنے کے لیے ذمہ دار افسر بھی نہ تھے۔ مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ خاں اس کے خاص
معتمد تھے مگر دونوں انگریزوں سے وفاداری رکھتے تھے۔ انہیں نئے انقلاب سے کوئی ہمدردی نہ
تھی۔ بہادر شاہ کے شہزادے معاملات سلطنت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے۔ انتظامی اور عسکری
معاملات کی رہنمائی کے لیے ان میں صلاحیت نہ تھی۔ ان کی عسکری تربیت ہی نہ ہو سکی تھی۔ اس
لیے یہ لوگ کوئی قابل قدر خدمت انجام نہ دے سکے۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے دلی پر انگریزوں کے
مکمل قبضے ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء تک دلی شہر، عوام اور بہادر شاہ پے در پے مسائل اور مصائب کا شکار
رہے۔ یہ سارے ایام انہوں نے شدید کش مکش میں گزارے۔

سپاہیوں کی انقلابی سرگرمیوں کے بعد دلی میں امن و امان، جان و مال اور نظم و نسق کو
بحال کرنے کے لیے ایک دستور العمل کی ضرورت تھی۔ دلی کے نیشنل آرکائیوز میں ایک ایسا ہی
دستور العمل موجود ہے۔ یہ جمہوری انداز کا دستور ہے۔ اس کے مطالعہ سے صاف طور پر یہ معلوم
ہوتا ہے کہ اس دستور کے مرتب کرنے والوں کے ذہن برطانیہ کے دستوری تصورات سے اچھی

Scanned by CamScanner

طرح واقف تھے۔ یہ لوگ ہندوستان کے گورنر جنرل کی کونسل کے ڈھانچے سے بھی بخوبی آشنا تھے۔ ان مرتبین نے جس طرح انگریزی زبان کے الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ انگریزی بھی ضرور جانتے ہوں گے۔ دلی کا انتظام چلانے کے لیے ایک تنظیم بنائی گئی تھی جسے ''کورٹ آف ایڈمنسٹریشن یعنی جلسہ انتظام فوجی وملکی'' کا نام دیا گیا تھا جو دس ارکان پر مشتمل تھا اور اس کا ایک صدر مقرر کیا جاتا تھا۔

دلی حکومت کا مرتب کردہ دستور کتنا موثر ثابت ہوا، اس بارے میں کہنا کچھ مشکل ہے۔ البتہ ہمیں دو ایسے موقعوں کے متعلق خبر ملتی ہے کہ جب کورٹ نے احکام جاری کیے اور سوچ بچار کی۔ ۸ جولائی ۱۸۵۷ء کو کورٹ نے شہر کی لوٹ مار روکنے کے لیے احکام جاری کیے (۳۸) اسی طرح سے حکیم احسن اللہ خان کے مکان کی حفاظت کے لیے کورٹ کی طرف سے متفقہ طور پر جاری کیے جانے والے حکم نامہ کا حوالہ ملتا ہے۔ (۳۹)

شہر کی لوٹ مار دردِ سر بن گئی تھی۔ بہادر شاہ نے انقلاب کے دوسرے ہی دن شہر کے کوتوال کے نام حکم جاری کیا کہ لوٹ مار کرنے والوں کو گرفتار کیا جائے۔ (۴۰) تھانے داروں کو تاکید کی گئی کہ حاضر باش رہیں۔ (۴۱) یکم جون کو شہزادوں کے نام جاری ہوا کہ شہر کے انتظام کو دیکھیں۔ (۴۲) چوں کہ بہادر شاہ کی حکومت شدید بحران سے گزر رہی تھی اس لیے بہادر شاہ حالات کے مطابق احکامات جاری کرتا رہتا تھا۔ کسی تجربہ کار اور مضبوط انتظامیہ کی عدم موجودگی ں سارا بوجھ ضعیف بادشاہ پر آپڑا تھا مگر وہ اس بڑھاپے میں بھی جو کچھ ممکن ہوسکتا تھا کرتا رہتا ۔ دراصل حکومت کا سارا انتظام Adhoc بنیادوں پر چل رہا تھا۔ فوج، انتظامیہ، عدلیہ اور ت کے سارے امور برآنے والے نئے دن کی ضرورت کے مطابق طے کیے جارہے تھے۔ شاہ کو جہاں بھی کچھ امید نظر آتی وہ حکم جاری کر دیتا۔ ۲۔ جولائی کو جب بخت خان دربار ضر ہوا تو اسے فوج کا سپہ سالار بنادیا گیا اور اسے کچھ خصوصی احکام بھی دیے گئے۔ ان م بھی تھا کہ سپاہ کو قلعہ اور شہر سے نکال کر باہر رکھا جائے جہاں قیام کا بندوبست ہو۔

Scanned by CamScanner

سپاہیوں کو سرزنش کی جائے۔ کوئی شخص رعایا کو تکلیف نہ دے۔ تنخواہ کا انتظام ہو
انتظام تحصیلات اور محصول جات پر نظر رکھی جائے۔ (۴۴)

بخت خان کے آنے سے حالات کچھ بہتر ہوئے بہادر شاہ کی طرف سے
کا خطاب عطا کیا گیا۔ ایک ڈھال اور تلوار بھی ملی اور اسے کل افواج کا کمانڈر انچیف کر دیا گیا
اس موقع پر حالات بہتر بنانے کے لیے بخت خان نے جو کارروائیاں کیں ان کے بارے میں
جیون لال اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے:

"منادی کرادی گئی کہ پلٹنوں کے تمام افسروں کو ہدایت لینے کی غرض سے محمد بخت خاں کے پاس جانا چاہیے۔ مرزا مغل ایڈجوٹنٹ جنرل مقرر ہوئے۔ محمد بخت نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ اگر کسی شہزادہ نے شہر کو لوٹنے کی کوشش کی تو میں اس کی ناک اور کان کٹوادوں گا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "تمہیں پورے اختیارات حاصل ہیں جو بہتر سمجھو کرو۔" اس حکم کی مطابقت میں شہر کے کوتوال کو اطلاع دے دی گئی کہ اگر شہر میں مزید لوٹ مار ہوئی تو تمہیں پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا اور جو سپاہی لوٹتے ہوئے پکڑے جائیں ان کو گرفتار کر لیا جائے۔ بخت خان نے اطلاع دی کہ شہر کے باہر میں حسب ذیل فوج کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہوں۔

چار پیدل فوجیں۔

سات سو سوار۔

چھ بھاری توپیں جنہیں کھینچنے کے لیے گھوڑے استعمال کیے جاتے ہیں۔

تین میدانی توپیں۔

چودہ ہاتھی۔

Scanned by CamScanner

یہ [illegible] کے سرکاری [illegible] سے حاصل کیا گیا ہے۔

ایک سو [illegible] ہیں۔

فوج کو چھ مہینے کی پیشگی تنخواہ دے دی گئی۔ محمد بخت خاں نے کہا کہ میرے پاس چار لاکھ روپے موجود ہیں اور کہا کہ میں اب بادشاہ کو مزید امداد حاصل کرنے کی غرض سے تکلیف نہ دوں گا اور اگر میری فوجیں کامیاب ہوئیں تو میں زائد روپیہ خزانہ میں داخل کر دوں گا۔ بادشاہ نے بریلی کی فوج کی ضیافت کے لیے چار ہزار روپے دیے۔ فوجی دستوں کے تمام کمانڈروں کو حکم دے دیا گیا کہ جنرل بخت خاں سے احکام حاصل کریں۔ آگرہ کی فوج کے نام بھی اسی قسم کے احکام نافذ کیے گئے۔ جنرل نے منادی کرا دی کہ تمام دکان داروں کو اپنے ہتھیار اپنے پاس رکھنے چاہییں۔ جن اشخاص کے پاس ہتھیار نہ ہوں وہ ہیڈ کوارٹر سے طلب کر سکتے ہیں اور کسی حالت میں مکانوں کو غیر مسلح حالت میں نہ چھوڑا جائے۔ جو سپاہی لوٹ مار کرتا ہوا پکڑا جائے اس کے ہتھیار اس سے چھین لیے جائیں گے۔ جن اشخاص کے پاس گولہ بارود کا سامان ہو، انہیں چاہیے کہ وہ میگزین کے حوالہ کر دیں ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ پولیس کو حکم دیا گیا کہ جنرل کے دربار میں شہر دہلی کے تمام عمائدین کو شریک ہونے کے لیے کہا جائے۔ جنرل نے میگزین کا معائنہ کیا اور حکم دیا کہ گولہ بارود، ذخائر اور سامان اسلحہ کو باقاعدگی سے ترتیب دیا جائے۔" (۴۴)

۳۔ جولائی کو بادشاہ کی طرف سے جنرل بخت خان کے اختیارات میں مزید
فے کی منظوری دی گئی۔ اسے اختیار دیا گیا کہ لوٹنے والے اشخاص پر جرمانہ کر دو اور مظلوم

Scanned by CamScanner

[illegible] شہری احکام، پولیس اور مال گزاری کے انتظامات اس کے [illegible] [illegible] اسی روز ایک حکم کے ذریعے شہزادگان کو تمام فوجی عہدہ داروں [illegible] گے۔ (۴۵) ۔ جولائی کو بہادر شاہ کو خبر ملی کہ شہزادے شہر کی آبادی کو [illegible] دیا گیا۔ (۴۶) اگلے روز بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ کوئی شہزادہ دربار میں شریک نہ ہو [illegible] رہے ہیں۔ سرداروں کے نام احکام بھیجے گئے کہ تمام شہزادگان عتاب میں ہیں اگر وہ لوٹ مار کرتے [illegible] جائیں تو ان سے معمولی آدمیوں کا سا سلوک کیا جائے۔ ۷۔ جولائی کو تمام پولیس افسروں کے نام احکام نافذ ہوئے کہ محمد قلی خاں کو پورے اختیارات دے کر شہر کا مجسٹریٹ مقرر کر دیا گیا ہے۔ (۴۸)

بہادر شاہ کی انقلابی فوج کئی ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ دلی شہر کے اندر اتنی بڑی فوج کا قیام ممکن نہ تھا۔ شہریوں کے لیے زندگی کا یہ نیا تجربہ تھا۔ سپاہی لوٹ مار سے گریز نہ کرتے تھے۔ اس لیے بلآخر تنگ آ کر بہادر شاہ نے جنرل بخت خان کی آمد سے بہت پہلے ۲۴۔ مئی کو یہ حکم صادر کیا تھا کہ تمام فوجی پلٹنیں شہر کے باہر قیام کریں کیوں کہ شہر برباد ہو رہا ہے۔ شہزادگان کے لیے بھی یہ حکم تھا کہ وہ اپنی اپنی پلٹنوں کے ساتھ اپنے خیمے باہر لگائیں۔ (۴۹) مگر اس حکم پر مناسب عمل نہ ہو سکا۔ جیون لال ۴۔ جون کے روزنامچے میں لکھتا ہے کہ سپاہیوں نے دلی دروازے کی دکانوں کو خالی کرا کے ان کو بیرکوں میں بدل دیا ہے۔ (۵۰) دلی میں جون سے اگست تک انقلابی سپاہی دوسرے شہروں سے اسلحہ، توپ خانے اور خزانہ کے ساتھ مسلسل آتے رہے۔ ان ایام میں جب بھی کسی نئے لشکر کی آمد کی خبر ملتی۔ بہادر شاہ شہر کے کسی دروازے کے باہر اس کے قیام کا حکم دیتا تھا۔

بہادر شاہ کی نئی حکومت کے لیے انتظامی اور فوجی مسائل کے علاوہ کچھ اور سنگین مسائل بھی تھے۔ ان میں اہم تر مسئلہ تنخواہ کا تھا۔ سپاہی تنخواہ مانگتے تھے اور بہادر شاہ کے پاس اس مقصد کے لیے پیسہ موجود نہ تھا۔ تنخواہ نہ ملنے کے باعث سپاہی اور افسر بدتمیزی سے بھی گریز

Scanned by CamScanner

یہ کرتے تھے۔ بہادر شاہ اکثر حالات میں شدید ردعمل کا اظہار کرتا تھا۔ بارود کی بھی کمی تھی۔ سپاہی پیٹ کے لیے روٹی اور توپ کے لیے گولہ بارود چاہتے تھے۔ ان دونوں کا حصول بار بار آتش کا باعث بنتا رہتا تھا۔

دلی کی نئی حکومت پیچیدہ مسائل کا شکار تھی اور دوسری طرف انگریز آہستہ آہستہ کرنال اور دوسرے مقامات پر جمع ہو رہے تھے۔ ادھر ادھر سے وہ دیسی سپاہ بھی حاصل کر رہے تھے۔ ان کا ایک ہی مطمع نظر تھا اور وہ تھا دلی کا دوبارہ حصول! ان کو پورا یقین تھا کہ وہ دلی پر دوبارہ قبضہ کر سکیں گے۔ کرنل کیتھ (Colonel Keith) نے ۱۲ اور ۱۳۔ جون کو اپنی بیوی کے نام خطوط میں بڑے یقین کے ساتھ لکھا تھا کہ ہمارا مقصد دلی کا حصول ہے اور اس کے لیے ہر شے کو قربان کر دینا چاہیے۔ فتح دلی کے بارے میں کیمپ کے اندر کسی کو ذرا سا بھی شک نہیں ہے۔ مگر یہ فتح کب ہوگی اس کا فیصلہ ابھی ہونا ہے۔ (۵۱)

دلی سے نکالے جانے کے بعد انگریزوں نے اپنی بکھری ہوئی فوجی طاقت کو بہت جلد منظم کرنا شروع کر دیا تھا۔ ہندوستان کے اندر شدید مزاحمت کے باوجود انہوں نے جلد ہی ڈاک اور تار کا نظام بحال کر لیا تھا۔ شملہ اور کلکتہ سے ان کو برابر ہدایات موصول ہونے لگی تھیں۔ شمالی ہندوستان میں ان کی توجہ کا مرکز دلی شہر تھا اور وہ لوگ یہ سوچتے تھے کہ اگر ہم دلی پر قبضہ کر لیں تو بغاوت خود بہ خود سرد پڑ جائے گی۔ (۵۲) چنانچہ دلی فتح کرنے کے لیے شمالی ہندوستان کے مختلف علاقوں سے انگریزی اور دیسی فوج کی تیاری شروع ہو گئی۔ سامان حرب، سپاہ اور راک کی وافر مقدار کے ساتھ ۲۴۔ مئی کو کمانڈر ان چیف جنرل آنسن (General Anso انبالہ سے دلی کی طرف رخصت ہوا۔ (۵۳) مگر راستے میں ۲۷۔ مئی کو ہیضہ سے دم گیا۔ اس کی جگہ ہنری برنارڈ (Henry Bernard) نے کمان سنبھال لی۔ (۵۴) اسی روز یڈیئر ولسن (Brigadiar Wilson) نے میرٹھ سے دلی کی طرف کوچ کیا۔ (۵۵) ۳۰۔ اس کی فوج کے سات سو سپاہیوں نے دلی سے دس میل دور ہندن ندی کے قریب غازی

Scanned by CamScanner

انھوں نے گڑھی میں سے پیچھے کو جا لیا۔ اس مقام پر دلی کی انقلابی فوج نے کئی ہزار سپاہیوں سمیت توپ خانہ کے ساتھ بھرپور حملہ کر دیا۔ حکمت عملی یہ تھی کہ انگریز سپاہ کو دلی پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں برباد کر دیا جائے۔ دلی کی سپاہ نے توپ خانے کو کامیابی سے استعمال کیا مگر انگریز فوج کی شدید مدافعت اور بعد ازاں جارحانہ حملوں کی تاب نہ لا کر دلی کی فوج نے میدان چھوڑ دیا اور دلی کی طرف پسپا ہو گئی اور اپنے پیچھے پانچ توپیں چھوڑ گئی۔ (۵۶) دلی کی فوج نے انگریزوں کو روکنے کے لیے دوسرا دفاعی مورچہ دلی سے پانچ میل دور سرائے بدلی میں قائم کیا۔ درحقیقت یہ فیصلہ کن مقام تھا اگر انگریز یہاں شکست کھا جاتے تو پھر کچھ عرصہ کے لیے فتح دلی کا خواب ادھورا رہ سکتا تھا۔ مگر وہ لوگ نہایت منظم طور پر پورے حوصلے کے ساتھ آگے بڑھنے پر تلے ہوئے تھے۔

۷۔ جون کو کیپٹن ہوڈسن (Captain Hodson) ایک مختصر فوجی جیش کے ساتھ حالات کا جائزہ لینے کے لیے نکلا تھا اور وہ قلعہ کی دیوار کے قریب تک جا پہنچا تھا۔ اسی کی رپورٹ پر انگریز فوج نے آنے والے دنوں کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ (۵۷) ۸۔ جون کو دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ دلی کے لشکر نے جان توڑ کر جنگ کی۔ توپچیوں نے عمدہ اور صحیح گولہ باری کی۔ مگر انگریز فوج کے اچانک حملے سے ان کے قدم اکھڑ گئے اور کوئی ایک گھنٹے کے بعد انقلابی پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ ان کو کافی جانی نقصان ہوا۔ یہ کہا جاتا تھا کہ دلی کی فوج کے ایک ہزار سپاہی واپس لوٹ کر نہ آ سکے اور کئی سو شدید زخمی ہوئے۔ (۵۸) دلی کی ہزیمت خوردہ فوج مایوسی کی حالت میں شہر میں لوٹی مگر اس حالت میں بھی ان کے اندر سپاہیانہ شان قائم تھی۔ ان کے ایک عینی شاہد کے مطابق:

''میں نے دیکھا کہ زخمی بکثرت شہر میں آ رہے ہیں۔ ایک ایک زخمی کے ہمراہ تین تین چار چار پوربیے لپٹے ہوئے اسے لیے چلے آتے ہیں۔ سڑک پر خون گرتا چلا جاتا ہے۔ تمام سڑک گلرنگ ہو رہی ہے اور خون کی نشان بنتی چلی آتی ہے۔ جیسے ہولی میں زمین پر رنگ گرتا ہے۔ دو سوار

Scanned by CamScanner

میرے برابر سے نکلے میں نے دیکھا کہ ان کے سینوں پر گولیاں لگی
ہوئی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے اور پشت پر پھاڑ کے نکلے
ہوئے تھے اور کلیجے اور پھیپھڑے کے ٹکڑے اور خون کے لتھڑے چپکے
پڑے تھے۔ دائیں ہاتھوں میں ان کے تیغے اور بائیں ہاتھوں میں
گھوڑوں کی باگیں تھیں اور کسی طرح کا کرب اور بدحواسی ان کے
بشرے سے ظاہر نہیں تھی۔ اچھی خاصی طرح ان کے ہوش و حواس قائم
تھے اور آپس میں باتیں کرتے چلے آتے تھے۔ مجھے آج تک اس امر کا
تعجب ہے کہ اتنی دیر تک وہ زندہ اور سلامت کیوں کر رہے اور پانچ کوس
تک زندہ کیوں کر چلے آئے۔ اس کے بعد ایک سوار گھوڑے کو بگٹٹ
دوڑائے چلا آتا تھا اور گھوڑے کی پیشانی پر گراب کے کاری زخم تھے اور
خون اس میں سے اس طرح گرتا ہوا آتا تھا جیسے کہ لوٹے کی ٹونٹی سے
پانی گرتا ہے اور اس کا تمام ماتھا اور تھوتھنی وغیرہ خون میں سرخ تھی۔ اس
کے پیچھے ایک زخمی کو دیکھا کہ اس کا ہاتھ کہنی پر سے اڑ گیا تھا اور کٹے
ہوئے بازو سے خون گرتا چلا آتا تھا اور اپنے پاؤں سے چلا آتا تھا اور دو
ایک پوربیے اس سے کہتے ہوئے آتے تھے کہ ہم تم کو ہاتھوں پر اٹھا کر
ڈیرے پہنچا دیں تو وہ کہتا تھا کہ نہیں میرے پاس نہ آؤ غرض کہ اسی طرح
مجھے قلعہ پہنچنے تک صدہا زخمی سوار پیدل ملے"۔(۵۹)

سرائے بدلی کی جنگ کے بعد انگریز فوج کے لیے دلی جانے کا راستہ صاف تھا۔ ان لوگوں کا منصوبہ یہ تھا کہ جس قدر بھی جلد ممکن ہو سکے دھیرج پہاڑی (The Ridge) پر اپنی چھاؤنی تک پہنچ جانا چاہیے۔ پہاڑی پر دلی فوج کا توپ خانہ موجود تھا۔ دفاع کے لیے سپاہی تھے۔ مگر یہ لوگ مختصری جھڑپوں کے بعد اپنا قبضہ چھوڑ کر شہر پناہ کے اندر جا پہنچے۔ ۸۔ جون کو صبح

Scanned by CamScanner

کے دو ہفتے بعد کہ انگریزی فوج پہاڑی پر قابض ہو گئی تھی۔ دہلی رج یا پہاڑی جسے انگریز Ridge کہا کرتے تھے دلی شہر کے شمال مغرب میں پھیلی ہوئی تھی اور شہر سے اس کی اونچائی بہت بلند تھی۔ اسی پہاڑی پر فلیگ سٹاف ٹاور (Flag Staff Tower) تھا اور اس کے عقب میں انگریزوں کی چھاؤنی تھی۔ دلی کی انقلابی فوج کے لیے یہ پہاڑی دفاعی اعتبار سے بہت اہم تھی اور ہر قیمت پر یہاں قبضہ برقرار رکھنے کی ضرورت تھی۔ مگر انقلابی فوج میں اس کے بارے میں سنجیدگی سے غور نہ کیا گیا تھا۔ حالات کا تجزیہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دلی کی دفاعی حکمت عملی کو شہر تک محدود کر دیا گیا تھا۔ یہ کسی نے نہیں سوچا تھا کہ دہلی رج پہاڑی کو بھی دفاعی منصوبہ کا لازمی حصہ ہونا چاہیے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ پہاڑی کو ناقابل تسخیر بنا دیا جاتا۔ اگر انگریز اس پہاڑی پر قبضہ نہ کر سکتے تو ان کے پاس اپنے دفاع کے لیے اس سے بہتر جگہ موجود نہ تھی۔ کیوں کہ یہ پہاڑی ہی تھی جو ان کے دفاعی مورچے کا کام دے سکتی تھی۔ چناں چہ موقع ملتے ہی ایک بار جب وہ اس پر قابض ہو گئے تو اس کے بعد سپاہ دلی کی ساری طاقت اور ان کا جذبۂ حریت بھی انگریزوں کو اس جگہ سے نہ اکھاڑ سکا۔ آغاز میں ان کی حالت بہتر نہ تھی۔ فوج کی محدود نفری اور محدود سامان حرب کے ساتھ وہ بڑی احتیاط سے سپاہیوں کے حملے روکتے رہے۔ جوں جوں ان کو مختلف اوقات میں عسکری کمک پہنچتی گئی وہ مضبوط ہوتے گئے اور بالآخر اتنے مضبوط ہو گئے کہ پہاڑی سے اتر کر دلی پر حملہ آور ہونے لگے۔ ۸۔ جون سے ۲۰۔ ستمبر (سقوط دلی) تک کے ایام کی تاریخ دلی شہر اور پہاڑی کے محاربات پر مشتمل ہے۔

انگریزوں کا پہاڑی پر قبضہ تو ہو گیا تھا مگر آغاز ہی سے انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ ان کے لیے دلی پر قبضہ کرنا کتنا مشکل ثابت ہو سکتا ہے۔ دوسری بنگال رجمنٹ کے جونیئر افسر لیفٹیننٹ ایورٹ (Ewart) نے ۸ جون کو قبضہ کے بعد یہ لکھا تھا کہ میں جو سمجھتا تھا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ہم مختصر فوج کے ساتھ شہر پر قبضہ نہیں کر سکیں گے۔ بریگیڈئر اس سے متفق تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ہماری فتح کا رستہ مشکل ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کامیابی کے لیے ہمیں کتنی دیر

عملہ ختم ہو جائے گا۔ پہاڑی پر موجود جونیئر افسروں کا ایک گروہ یہ سمجھتا تھا کہ مزید کمک آنے اور
دفاع کو مضبوط کرنے سے پہلے ہی دلی پر حملہ کر دینا چاہیے۔ ان کا خیال تھا کہ اچانک
والے حملے سے سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔(۶۱)

فوجی انجینئروں نے اس قسم کا ایک منصوبہ بنا کر جنرل برنارڈ (Barnard) کے حوالے کیا۔ فوج کے محتاط افسروں نے یہ رائے دی کہ اگر اس قسم کے حملے سے ہمارے فوجی دستے شہر کا محاصرہ توڑ کر اندر داخل ہو جائیں تو مزید کمک پہنچنے سے پہلے ہی ان کا صفایا ممکن ہو سکتا ہے۔ دو ہزار پیدل فوج کے دستوں کے لیے یہ کام دشوار ہوگا۔ چوں کہ تمام فوج حملے میں جھونک دی جائے گی اس لیے خالی رہ جانے والی چھاونی غیر محفوظ ہو جائے گی۔ بالآخر برنارڈ (Barnard) کو یہ منصوبہ سردست ملتوی کرنا پڑا اور وہ کمک کا انتظار کرنے لگا لیکن پہاڑی کے افسروں میں روز و شب دلی پر حملے کے لیے بات چیت جاری رہتی تھی اور ایک عام تاثر یہ تھا کہ دلی کا دوبارہ حصول روز بہ روز مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں جنرل برنارڈ سخت تھکاوٹ، مسائل کے فکر اور نیند کی کمی کے باعث ہیضہ کا شکار ہو کر مر گیا۔ اب کمان بریگیڈیئر ولسن (wilson) کے سپرد ہوئی۔ وہ جب دلی کی طرف دیکھتا تھا تو جنرل برنارڈ کی طرح یہ سوچتا تھا کہ مختصر فوجی طاقت کے ساتھ وہ دلی پر کبھی بھی قبضہ نہ کر سکے گا۔

کیتھ (Keith) نے ۲۹۔ جون کے ایک مکتوب میں یہ لکھا ہے کہ بہت سے لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ دلی شہر پر قبضہ کرنے کے لیے حملہ نہیں کیا گیا، حالاں کہ یہ حملہ دیر سے متوقع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مٹھی بھر سپاہ کے ساتھ دلی جیسے قلعہ بند شہر پر حملہ کرنا جو ہزاروں مسلح سپاہیوں کے دفاع میں ہے پاگل پن ہے اور یہ ہی رائے برطانوی کیمپ کے افسروں کی ہے۔ ...ر کی ایک لاکھ سے زیادہ آبادی ہمیں نقصان پہنچنے کی صورت میں ہمارے خلاف اٹھ سکتی ...۔(۶۳)

دلی شہر کی فصیل سات میل تھی۔ گیارہ دروازے تھے جو پوری طرح مسلح تھے۔ چوبیس

Scanned by CamScanner

فٹ اونچی فصیل تھی اور اس کے آگے خندق۔ اس بڑے شہر کے حدود اربع پر قابو پانے کے لئے ولسن (Wilson) بالکل بے بس معلوم ہوتا تھا۔ پھر انقلابی سپاہ بڑی تعداد میں تھی۔ اس کے پاس کثیر مقدار میں توپیں تھیں۔ نہایت ماہر توپچی تھے کہ جن کے بارے میں برطانوی توپخانہ کے افسر یہ کہنے پر مجبور نظر آتے تھے کہ ہم ان کے نشانے کی تیزی اور صحت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پہاڑی پر پنجاب سے کچھ کمک ملنے اور گورکھا یونٹ کے آنے سے حوصلہ افزائی ہوئی۔ گورکھاؤں کے ذمے ہندو راؤ ہاؤس کی حفاظت لگادی گئی۔ یہ خاصی اہم اور بڑی عمارت تھی۔ باغی سپاہ نے یہاں پے در پے حملے کیے جو کہ پسپا کر دیے گئے۔ برطانوی افسران سے اتنے خوش تھے کہ ان کے ساتھ مل کر اپنے پائپ پیتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو بھائی کہتے تھے۔ (۶۳)

دلی میں شدید گرمی تھی اور پہاڑی پر خیمے کے اندر درجہ حرارت ایک سو تیس درجے تک جا پہنچتا تھا۔ جون کے آخر کی بارشوں نے کیمپ میں سیلابی حالت پیدا کر دی تھی۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ پہاڑی پر کرکٹ کھیلی جاتی تھی جو بارشوں سے بند ہو گئی۔ Quotis کا کھیل بند ہوا اور اس کے ساتھ ہی گھوڑ دوڑ بھی ختم ہو گئی۔ فوجی بینڈ کے ترانے بھی خاموش ہو گئے مگر دلی کی طرف سے ہونے والی گولہ باری جاری رہی۔

پہاڑی سے نیچے ٹوٹے ہوئے پیڑوں اور گھاس پھونس میں حملہ آور باغی فوجیوں کی لاشیں شدید گرمی میں پڑی سڑتی تھیں۔ پورے ماحول میں ان کی لاشوں کا تعفن اتنا شدید ہو جاتا تھا کہ برطانوی افسر اوڈی کلون (eau de cologne) میں رومال بھگو کر ناک کے آگے رکھتے تھے۔ مگر پھر بھی معمولی اثر نظر آتا تھا۔ کیمپ کے اندر صحت عامہ کی حالت خوف ناک تھی۔ ہیضہ اور دوسری بیماریاں عام تھیں۔ مگر پہاڑی پر خوراک اچھی اور وافر تھی۔ فیروز سے بھیڑوں کا ایک بڑا گلہ لایا گیا تھا۔ انبالہ کے میسرز پیک اینڈ ایلن (Peak & Allen) نے پہاڑی پر برانچ کھول دی تھی جہاں سے پاکٹ بکس سے لے کر ٹوتھ پاؤڈر، پین اور کاغذ تمباکو اور

Scanned by CamScanner

سامان مہیا ہو سکتے تھے۔ بیئر کی بوتلیں کثرت سے دست یاب تھیں۔(۶۵)

انقلابی فوج نے انگریزوں کو پہاڑی سے اکھاڑنے کے لیے مسلسل کوششیں کیں۔ ۸۔ جون کو دوپہر کے بعد دو بجے انہوں نے ایک بھرپور حملہ کیا جو کامیاب نہ ہو سکا۔ شام ۵ بجے تک پہاڑی کیمپ توپوں کی گھن گرج سے خاموش ہو چکا تھا۔ انقلابی واپس جا چکے تھے۔(۶۶) ۱۲۔ جون کو بھی انہوں نے انگریزی کیمپ کے دائیں بازو پر جان توڑ حملہ کیا مگر ناکام رہا۔(۶۷) اب انگریز فوج کو بہ خوبی طور پر احساس ہو گیا کہ وہ توپ خانے اور انجینئرنگ کے وسائل کی کم زوری کے باعث دلی نہیں لے سکتے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ انقلابیوں کی توپیں اور ان کی کارکردگی برطانوی کیمپ سے برتر تھی۔ انقلابیوں کی طرف سے حملے جاری رہتے تھے اور پہاڑی سے جوابی گولہ باری کا سلسلہ معمول کے مطابق جاری رہتا تھا۔ ان جنگی محاربات کے بارے میں ہم ایک ہم عصر شہادت پیش کرتے ہیں جس سے اس جنگی فضا کا منظر کھنچ جاتا ہے:

"پہاڑی پر فریزر صاحب کی کوٹھی سے لگا کر باؤنے تک انگریزی فوج کے مورچے لگے ہوئے تھے ادھر کشمیری دروازہ کے برج سے لے کر کابلی دروازہ کے سیاہ برج اور لاہوری دروازہ کے برج فراش خانہ کی کھڑکی کے برج تک توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور باہم شبانہ روز گولہ باری ہوتی تھی اور شیل اور بم کے گولے شہر پر برستے تھے۔ بم کا گولہ خدا پناہ رکھے جس وقت پھٹتا تھا اور صدہا ٹکڑے اس کے اڑ جاتے تھے اگر سات درجہ کے مکان پر پڑا تو تہ کو اتر گیا اور سب کا ستیاناس کر دیا اگر زمین پر پڑا تو دس گز زمین پیوست ہو کر پھوٹا اور تمام مکان کو اڑا دیا۔ غرض کہ ایک قہر خدا تھا۔ دس دس گولہ برابر کاغذ کے پرچوں کی طرح شب کو اڑتے چلے آتے تھے اور برابر پھٹتے چلے جاتے تھے ادھر صبح ہوئی اور بگل بجنے شروع ہوئے اور فوج باغیہ کمربندی کر کے لاہوری دروازہ

Scanned by CamScanner

کے باہر جا موجود ہوئی اور باہم گولی چلنے لگی۔ شام تک میدان داری رہی
پھر اپنے اپنے ڈیروں پر آ موجود ہوئے۔"(۶۹)

برطانوی فوج ہر قسم کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے سراغ رسانی کے لیے بہت توجہ صرف کر رہی تھی۔ پہاڑی پر ولیم ہوڈسن (William Hodson) نے خفیہ خبر رسانی کے محکمہ کو بڑی چابک دستی سے چلا رکھا تھا۔ اس کے سپاہی مطلوبہ معلومات کے حصول کے لیے ہر روز پہاڑی سے شہر میں جاتے اور وہاں سے تازہ ترین خبریں اپنے مقرر کردہ جاسوسوں سے لے کر آتے تھے۔ جولائی کے وسط میں یہ خبریں آنے لگی تھیں کہ باغی سپاہی واپس بھی جا رہے ہیں ان کی تعداد ایک تہائی تک کم ہو چکی ہے۔ شہر والے ان سے پریشان ہیں۔ تنخواہوں کے مسئلے ہیں اور بارود کی قلت ہو رہی ہے۔ ان خبروں سے متاثر ہو کر ہوڈسن (Hodson) دلی پر جلد از جلد حملہ کرنے کی ترغیب دے رہا تھا مگر افسروں کی رائے یہ تھی کہ اس قسم کے حملے کا وقت گزر چکا تھا۔ (۷۰) برطانوی فوج سے لندن میں یہ توقعات کی جا رہی تھیں کہ وہ جلد سے جلد دلی پر قبضہ کر لے گی، مگر یہاں حالت یہ تھی کہ انقلابی سپاہ کی مدافعت اور جارحیت زوروں پر تھی جس کے باعث پہاڑی پر حالات مشکل ہو رہے تھے۔ ۲۷۔ جولائی کو انجینئرنگ کور کا افسر آرتھر موفٹ لینگ (Arthur moffat lang) لاہور سے دلی پہنچا تو اسے یہ محسوس ہوا کہ دلی فیلڈ فورس (Delhi Field Force) کی حالت یہ ہے کہ وہ دلی کا محاصرہ کرنے کی جگہ خود محصور ہو گئی ہے۔ (۷۱)

ولسن (Wilson) کے اپنے خیالات بدل رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس طرح پہاڑی پر متمکن رہنے میں کیا دانائی ہے۔ وہ اپنی افواج کی واپسی کے امکانات کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ وہ اس فوج کو ملک کے دیگر حصوں میں استعمال کرنے کے حق میں تھا۔ اس کے سٹاف کے افسر اس رائے کے حامی بھی تھے مگر بیرڈ سمتھ (Baird Smith) اس بات پر قائم تھا کہ ی کو چھوڑنا اور پنجاب کے ساتھ مواصلات کو ختم کرنا ایک بڑی غلطی ہے۔ (۷۲) وہ اس بات

Scanned by CamScanner

پر مسلسل دورہ پڑتا رہا تا آں کہ ۱۴ اگست کو پنجاب سے کمک پہنچ گئی اور اس کے ساتھ بریگیڈیئر نکلسن (Nicholson) بھی تھا جس نے پہاڑی کے دل شکستہ ماحول کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور اس کی آمد کے ساتھ ہی انگریزوں کے کیمپ میں دلی پر قبضے کا خواب حقیقت بنتا ہوا نظر آنے لگا۔ جان نکلسن (John Nicholson) کے ساتھ ۴۲۰۰ سپاہیوں کا لشکر آیا تھا۔ وہ ایک سخت جان افسر تھا اس کا کہنا تھا کہ غدر "چیچک کی طرح" ہے اسے جتنی جلدی ممکن ہو کچل دینا چاہیے۔ (۷۳) وہ باغی سپاہیوں کی کھال کھنچوانے اور ان کو چار چوب کرنے کے لیے مشہور تھا۔

پہاڑی پر برطانوی کیمپ کو مسلسل کمک پہنچ رہی تھی۔ ۴۔ ستمبر کو ہاتھیوں کا ایک قافلہ بھاری توپوں کے ساتھ آ پہنچا۔ یہ توپیں دلی شہر کا دفاع توڑنے کے لیے منگوائی گئی تھیں۔ بارود کے کثیر ذخائر بھی سامان رسد کا حصہ تھے۔ اس اہم امداد کے باوجود برطانوی فوج کا کمان دار آرچڈیل ولسن (Archdale Wilson) متذبذب تھا کہ حملہ کرے یا نہ کرے وہ حملے کی ناکامی کے باعث ہونے والی تباہی سے خوف زدہ تھا۔ آخر کار دلی پر حملہ کا پروگرام تیار کر لیا گیا۔ یہ منصوبہ طے ہوا کہ فصیل شہر کا وہ حصہ جو برطانوی کیمپ سے نزدیک تھا اسے توپ خانے اور بارودی سرنگوں کی مدد سے اڑا دیا جائے اور جوں ہی موقع ملے فوج فصیل کے شگافوں سے شہر میں داخل ہو جائے۔

اب صورت یہ تھی کہ ادھر تو پہاڑی پر برطانوی کیمپ فیصلہ کن حملے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ یہ لشکر ہر قسم کے ہلکے اور بھاری ہتھیاروں سے مکمل طور پر لیس ہو چکا تھا۔ بڑھتے بڑھتے ان کی فوج کی تعداد ۱۳۰۰۰ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ ان کی قیادت نہایت شاطر افسروں کے سپرد تھی اور وہ تن من کی بازی لگا کر دلی فتح کرنے کا منصوبہ تیار کر چکے تھے اس کے عین برعکس اس دور میں بہادر شاہ کی حکومت اور انقلابی فوج بدترین مسائل کا سامنا کر رہی تھی۔

اگست کے آخری ایام میں بہادر شاہ کی حکومت شدید مسائل میں الجھ گئی تھی اور ستمبر کے شروع سے اس حکومت کا المناک انجام صاف طور پر نظر آنے لگا تھا۔ یہ وہ دن تھے جب

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

تھی۔ ان لوگوں کے [illegible]

[illegible]

[illegible] ہو چکا تھا [illegible]

سپاہ کا حوصلہ پست ہو چکا تھا۔ مالی [illegible]

[illegible] تنخواہ وصول کرنے کے عادی تھے۔ اب [illegible]

کہ بہادر شاہ کا خزانہ خالی تھا۔ فوج کو [illegible] سے تنخواہ کی ادائیگی [illegible]

لیے سپاہی اپنی [illegible] کو پورا کر سکتے تھے اور وہ [illegible]

کے انقلاب کے دوران میں بعض فوجی سرداروں اور جاگیرداروں نے دلی حکومت کی مالی مدد کی

تھی مگر وہ کافی نہ تھی اس لیے بادشاہ شہر کے [illegible] سے مالی مدد مانگتا تھا یا شہر کے [illegible]

قرض لیا جاتا تھا۔ شہر والوں سے چندہ بھی اکٹھا کیا جاتا تھا اور اس سے فوجی اخراجات کو پورا

کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ فوجی بار بار یہ الزام لگاتے تھے کہ فوج کے لیے ملنے والی امداد

کا ایک حصہ شہزادے خرد برد کر جاتے ہیں۔ اس لیے بہادر شاہ نے مجبور ہو کر یہ اعلان

کیا تھا کہ شہزادوں کو چندہ نہ دیا جائے۔ اگست کے وسط میں فوجیوں کا ایک گروہ مرزا مغل کو تنخواہ

کی عدم ادائیگی کی بنا پر قتل کرنے گیا تھا اور شہزادہ ان سے ڈر کر روپوش ہو گیا تھا۔ ۶۔ ستمبر کی ایک

رپورٹ کے مطابق بریلی کی فوج تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے کافی ہنگامہ کر رہی تھی۔

بہادر شاہ کی سپاہ کے لیے گولہ بارود کی فراہمی بھی مسئلہ بنی رہی۔ بارود ہر روز

استعمال ہوتا تھا اور دلی شہر میں بنایا جاتا تھا۔ ایک بڑا المیہ یہ ہوا کہ ۸۔ اگست کو انقلابی فوج کا

بارود خانہ دھماکے سے برباد ہو گیا۔ یہ بارود خانہ بیگم سمرو کی حویلی میں تھا جو چوڑی والاں میں واقع

تھی۔ وہاں سات سو من بارود ہر روز تیار ہوتا تھا۔ ۸۔ اگست کی سہ پہر کو اچانک دھماکہ ہوا جس

سے کارخانے میں کام کرنے والے سات سو کاریگر دھماکے کی نذر ہو گئے تھے۔ (۷۵) اگست

کے وسط میں صورت یہ تھی روپے پیسے کی کمی کے سبب بارود خانہ بند پڑا تھا جو کچھ گولہ بارود وہاں

Scanned by CamScanner

ے... بھی خراب ہو رہا تھا مگر اگست کے آخر میں بارود خانہ نے دوبارہ کام شروع کر کے پچاس من بارود روزانہ تیار کرنا شروع کر دیا تھا اور یہ صرف ایک روز کے استعمال کے لیے تھا۔(۷۶) بلم مخبر کو یہ خبر ملی ہے کہ گندھک کی شہر میں شدید قلت ہے اس لیے بارود سازی رک گئی۔(۷۷)۔ ستمبر کا مہینہ فیصلہ کن جنگ کا مہینہ تھا مگر اس مہینے میں بارود کی کمی تھی۔ انگریز دلی پر آخری بڑے حملے کے لیے مورچے بھر رہے تھے اور ۱۳۔ ستمبر کو جنرل بخت خان کے پاس بارود ختم ہو چکا تھا اور وہ توپ خانہ کی کمان سے اپنی بڑی توپ کے لیے گولہ بارود حاصل کرنے کے لیے التجائیں کر رہا تھا۔ اس کی بڑی توپ بے کار کھڑی تھی۔ یہ توپ کشمیری دروازے تک مار کرتے ہوئے انگریزوں کے حملے کو پسپا کرتی تھی۔(۷۸) اس توپ کے خاموش رہنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز فوج کشمیری دورواز ے کی فصیل پہ گولہ باری کر کے ایک بڑا شگاف ڈالنے میں کام یاب ہو گئی تھی اور اسی شگاف سے بعد ازاں وہ لوگ شہر میں داخل ہوئے تھے۔

تنخواہوں کے نہ ملنے کے سبب انقلابی سپاہی بد دل ہو کر آہستہ آہستہ فرار کا رستہ اختیار کرتے گئے۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق شہر میں صرف پندرہ توپیں باقی بچی تھیں۔ ان میں سے چھ بریلی بریگیڈ کے پاس، پانچ نصیر آباد بریگیڈ کے پاس اور چار بادشاہ کے ذاتی دستے کے پاس تھیں۔ بارود خانہ میں تقریباً ساٹھ من کچا بارود باقی تھا۔ گندھک کی از بس قلت مسئلہ بن گئی تھی جو بارود بن رہا تھا وہ معیاری نہ تھا۔ اس لیے کوئل کے بارود سازوں کو بلایا جا رہا تھا تاکہ وہ یہاں آ کر بہتر قسم کا بارود تیار کر سکیں۔(۷۹) ۱۶۔ اگست تک صرف چار دنوں میں تین ہزار سپاہی فرار ہو گئے تھے۔ فرار ہونے کا یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا۔ سپاہی فقیروں اور بیراگیوں کا بھیس بدل کر بھی بھاگنے سے گریز نہ کرتے تھے۔(۸۰) سقوط دلی کے دنوں میں سپاہی تیزی سے شہر چھوڑ کر جا رہے تھے۔ صرف ۱۵۔ ستمبر کو پوربی سپاہیوں کی دو پلٹنیں فرار ہو کر ریواڑی کی طرف چل دیں۔(۸۱) ایک دوسرے ریلے میں ۴۰۰ سوار رہتک کی جانب جا رہے تھے۔(۸۲) بھاگنے والے سپاہیوں کی وجہ سے دلی کی فوج بد دل ہو رہی تھی۔

Scanned by CamScanner

مالی مشکلات، بارود کی قلت، تنظیم کی کمی اور قائدانہ صلاحیتیں میسر نہ آ سکنے کی وجہ سے سپاہ دلی کو بار بار ہزیمت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ فوج کے اندر اتفاق اور قیادت کو تسلیم کرنے کا جذبہ نہ تھا۔ سردار باہمی رقابتوں اور کم تر درجے کی سیاست کا شکار تھے۔ وہ لوگ بہادر شاہ کا حکم ماننے سے گریز کرتے تھے۔ سپہ سالار جنرل بخت خان کے احکام کی پروا نہ کرتے تھے۔ سپاہی شہزادہ مرزا مغل کو بھی شک کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان کے خیال میں مرزا مغل چاہتا تھا کہ دلی سے تمام افواج کو باہر بھیج دے اور جب دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے فوج روانہ ہو وہ خود انگریزوں سے جا ملے اور انگریزی فوج شہر میں داخل ہو جائے اور صلے میں اسے دلی کا بادشاہ مقرر کر دیا جائے۔ اس الزام کے سلسلے میں ایک تحقیقاتی کمیٹی کا اجلاس بھی ہوا تھا۔ (۸۳) ستمبر کے نازک ترین ایام میں اندرونی طور پر فوج کی حالت یہ تھی کہ تفرقہ پیدا ہو چکا تھا۔ نصیر آباد اور نیمچ بریگیڈ شہزادہ مرزا مغل کے ساتھ تھے۔ بخت خان کے بریلی بریگیڈ کے افسر اور مرزا مغل جانی دشمن بنے ہوئے تھے۔ اس بات کا بھی امکان ظاہر کیا جا رہا تھا کہ شاید بریلی فوج کے افسر مرزا مغل کو قتل کر دیں۔ (۸۴)

۱۱۔ مئی ۱۸۵۷ء سے قبل بہادر شاہ ظفر کو کمپنی کی طرف سے پنشن کے علاوہ دیگر مراعات بھی حاصل تھیں۔ ۱۱۔ مئی کے بعد پنشن اور مراعات کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ آنے والے دنوں میں بہادر شاہ نے عیش و آرام کے ان دنوں کی مسرت کو یاد کیا۔ اسے اس بات کا قلق تھا کہ سپاہیوں نے اسے خواہ مخواہ مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ اگر اس کا بس چل سکتا اور یہ ممکن بھی ہوتا تو وہ انگریزوں سے صلح کرنے میں گریز نہ کرتا۔ مگر انقلابی فوج نے اسے ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا تھا اور یہ بادشاہت اس کے لیے عذاب بن گئی تھی۔ سپاہیوں اور سرداروں کی نافرمانی، فوج کی نا اتفاقی، مالی مشکلات کے آشوب اور دیگر مسائل نے اسے ازبس دل گرفتہ کر دیا تھا۔ سپاہی ہر روز تنخواہ کا مطالبہ کرتے تھے اور خزانہ خالی تھا۔ بہادر شاہ نے ہر ممکن حد تک ان کے مالی مطالبات پورے کیے مگر آخر آخر وہ انتہائی طور پر اعصاب زدہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے انجام کی تصویر

Scanned by CamScanner

پہ خوبی طور پر دیکھ چکا تھا۔ اس لیے ذہنی طور پر وہ بالکل شکست خوردہ انسان نظر آنے لگا تھا۔ حالات کے جبر کے ہاتھوں وہ بے حد مجبور اور مکمل طور پر لاچار ہو گیا تھا۔ شکست سے دو ہفتے پہلے فوج اور قلعہ کے مابین مالی معاملات کے بڑھتے ہوئے تنازعات معمول بن چکے تھے۔ ہم ان تنازعات میں سے ایک کا منظر یہاں درج کرتے ہیں۔ یہ منظر نہایت افسوس ناک تھا۔ یہ ۲۔ ستمبر کا واقعہ تھا:

"کچھ افسر اپنی تنخواہ کا مطالبہ کرنے شاہی محل گئے تھے۔ یہاں پر ہر عہدے کے تقریباً پانچ سو افسر، دیوان خاص میں شہزادہ مغل، مرزا ابوبکر اور مرزا خضر سلطان کو گھیرے کھڑے تھے اور بہ آواز بلند کہہ رہے تھے کہ حکیم احسن اللہ خان ان کی تنخواہوں کی ادائیگی میں مداخلت کر رہا ہے۔ وہ شہزادوں کو قید کرنے اور حکیم احسن اللہ خان کو قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ان کی تنخواہیں نہ دی گئیں تو وہ شہر کو آپس میں تقسیم کر کے لوٹ مار شروع کر دیں گے۔ وہ اپنے مطالبات کو منوانے کے لیے کافی دیر شور مچاتے رہے۔ مرزا مغل نے اپنی جان بچانے کے لیے آخر مرزا الٰہی بخش کو بلا بھیجا۔ وہ ان کو دلاسہ وغیرہ دے کر بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کے پاس کوئی رقم نہیں ہے کہ وہ ان کو دے سکے۔ اس پر فوج کے افسروں نے دھمکی دی کہ وہ شاہی خاندان کے تمام افراد کو قتل کر کے محل اور شہر کو لوٹ لیں گے۔ یہ سن کر بادشاہ اپنے تخت سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے تخت کی گدی ان افسروں کے سامنے پھینک کر حکم دیا کہ شاہی محل کے تمام نوادرات اور شاہی خاندان کی بیگمات کے زیور ان کے حوالے کیے جائیں۔ اس کے بعد وہ کعبہ کی طرف رخ کر کے رونے لگا اور کہا کہ اسے اپنے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ اسے بھی اگر انگریزوں کے

[illegible]

مخبر کے ... سے پتا چلتا ہے کہ ... کے بعد یہ لوگ دہلی پر دوبارہ حملے کی تیاریوں میں تھے۔ اس مقصد کے لیے ... رسالوں سے ... عسکری طاقت کا ... کے ایک ایک حصے پر فوج اور توپ خانے تعینات کے بارے میں جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ دلی پر حملے سے پہلے انھیں دلی کے ہر علاقے اور ہر دروازے ... عسکری قوت کا اندازہ ہونا چاہیے۔ اسی سلسلے میں ان کے مقرر کردہ ایک جاسوس نے ... سے پہلے کمپنی کے محکمہ جاسوسی کو جو اطلاعات فراہم کی تھیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ... اپنی کم مائیگی اور اسلحہ کی کمزوری کے باوجود اپنی مدافعت کے لیے تیار تھی۔ مخبر کی اس اطلاع میں یہ معلومات دی گئی تھیں:

"آپ کے حکم کے مطابق میں کل شام شہر کے ہر حصے میں باغی فوج کا جائزہ لینے گیا تھا۔ قلعہ میں اور لاہوری اور دہلی دروازوں پر پہرہ پہلے کی نسبت کافی سخت کر دیا گیا ہے اور انگریزی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر قسم کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ شہر کے ہر دروازے پر بھاری توپیں نصب ہیں۔ دیوانِ عام پر چار توپیں نصب کی گئی ہیں ...

Scanned by CamScanner

ساتھ بارود کے چار چھکڑے بھی نصب ہیں۔ سلیم گڑھ کے قلعہ کی حفاظت کے لیے مورچہ قائم کیا گیا ہے اس کے چاروں طرف توپیں لگی ہوئی ہیں۔ کشمیری دروازے سے لے کر لاہوری دروازے تک فوج کا زبردست پہرہ ہے۔ سڑک کے دونوں طرف ہر گھر میں نیچے سے لے کر اوپر تک سپاہی جمع ہیں۔ کیولری کی فوج دریا کے کنارے الل ڈگی کے قریب متعین ہیں۔ اس کی ایک بڑی تعداد دہلی دروازے کے قریب شاہی مسجد میں بھی موجود ہے۔ فوج کے کچھ سوار شہر میں بھی گشت کر رہے ہیں۔ شہر کے ہر دروازے پر ایک توپ نصب ہے۔ کشمیری دروازے میں اندر کی طرف چار توپوں کا مورچہ قائم کیا گیا ہے۔

ہر جگہ توپوں کی تعداد پہلے کی نسبت بڑھا دی گئی ہے۔ دیواروں پر پہرہ کی تعداد پہلے کی نسبت بڑھا دی گئی ہے اور پہرہ بھی بڑی مستعدی اور احتیاط کے ساتھ دیا جا رہا ہے۔ شہر میں نہر کے تمام پل قائم ہیں۔ دہلی اور میرٹھ کی رجمنٹیں بھی شہر میں ہیں۔ غازی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کھڑے ہیں ان کی اب علیحدہ پلٹن بنا دی گئی ہے۔" (۸۶)

انگریزی فوج کا محکمہ جاسوسی معلومات کے حصول کے لیے کسی ایک ذریعہ ہی پر انحصار نہیں کرتا تھا۔ یہ لوگ مختلف ذرائع سے بھی معلومات حاصل کرتے تھے۔ اپنی حکمت عملی بنانے کے لیے وہ ہر ممکن طریقے سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بالخصوص دلی پر حملے سے عین پہلے وہ بڑی تن دہی سے اس کام میں مصروف تھے اور ان کے جاسوس معلومات حاصل کرنے میں پوری کوشش کر رہے تھے۔ ۱۰ ستمبر کی ایک رپورٹ ہم نے اوپر درج کی ہے۔ اب ۱۰ ستمبر ہی کی ایک اور رپورٹ بھی درج کرتے ہیں۔ جس سے سپاہ دلی کی تیاریوں کا نقشہ سامنے آجاتا ہے:

Scanned by CamScanner

شہر کے تمام دروازوں خصوصاً ''کشمیری'' کابلی، لاہور اور اجمیری کے دفاع مضبوط کر دیا ہے اور ان سب پر اب پہلے کی نسبت زیادہ سخت پہرہ مقرر ہے۔ انگریزی فوج کی گولہ باری نے کشمیری دروازہ، کابلی دروازے اور پانی پت والے برج کے مورچہ کو خاموش کر دیا ہے۔ شاہی برج بالکل تباہ ہو گیا ہے۔ برج سے لے کر گرجا گھر تک شہر کی دیوار مسمار ہو چکی ہے۔ باغیوں نے کابلی دروازہ کو اینٹوں اور پتھروں سے چن دیا ہے۔ لال دروازے کے صرف پھاٹک بند ہیں۔ قلعہ گاٹ کے دروازے کا بھی یہی حال ہے بڑی سخت تیاری کی جا رہی ہے۔ مدرسہ غازی الدین خان پر بارہ توپیں چڑھا دیں گئی ہیں۔ کل حملہ کی توقع کرتے ہوئے کوتوال کے نزدیک لاہوری دروازے کی طرف جانے والی سڑک پر دو بھاری توپیں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ اور ایک دوسری توپ لالہ ہر نرائن کے گھر پر چڑھا دی گئی تھی لیکن بعد میں ان تینوں توپوں کو وہاں سے ہٹا لیا گیا۔

کشمیری اور لاہوری دروازوں کے درمیان چوراہے پر بھی مورچہ بندی کی جا رہی ہے۔ یہاں پر بھی کچھ بھاری توپیں لا کھڑی کی جائیں گی۔ باغیوں نے شاہی برج کے نیچے ریت کے بوروں کا مورچہ قائم کر لیا ہے۔ شہر کی فصیل میں جو شگاف پڑ گئے تھے انہیں بھی ریت کے بوروں سے بند کر دیا ہے۔ شاہی قلعہ میں فوج کی دو رجمنٹیں موجود ہیں ان میں سے ایک سلیم گڑھ پر پہرہ دینے کے لیے مقرر ہے۔ بادشاہ کا حفاظتی دستہ بھی ارریگولر کیولری کے دو سو سواروں کے ساتھ قلعہ میں موجود ہے۔ دیوان عام پر تین بھاری توپیں نصب کر دی گئی ہیں۔ قلعہ

Scanned by CamScanner

کی دیوار کے سامنے دہلی اور لاہوری دروازوں پر بھی ایک ایک توپ نصب ہے۔" (۸۷)

۱۲۔ ستمبر کو یہ اطلاع دی گئی ہے کہ باغی سپاہ نے کشمیری دروازے کے اندر سڑک کے دونوں طرف پتھر چن کر مورچے قائم کر لیے ہیں۔ کشمیری اور کابلی دروازے کے درمیان بھی ایک مورچہ قائم ہے۔ شہر کی فصیل پر توپیں لگا دی گئی ہیں۔ ۱۶۔ ستمبر کی ایک رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ بے شمار سپاہی اب بددل ہو کر اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ باقی فوج دلی میں رہ کر چار دن مسلسل انگریزوں کا مقابلہ کرے گی اس کے بعد وہ اپنے سامان کے پیچھے بھاگ نکلے گی۔ یہ فوج مورچوں سے اپنا سامان نکال کر گوالیار کی طرف روانہ کر چکی ہے۔ اگر انگریزی فوج نے ان کا پیچھا کیا تو ان کا حفاظتی دستہ مقابلہ کرے گا۔ چوں کہ انگریزی فوج پہلے ہی تھکی ہوگی وہ زیادہ دور تک ان کا تعاقب نہ کر سکے گی۔ شاہی قلعہ کی فوج اپنے مورچوں پر لڑ کر جان دینے کے لیے تیار ہے۔ (۸۸)

ستمبر ۱۸۵۷ء میں حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ مگر ان ابتر حالات کے باوجود دلی کی فوج میں ایسے دلیر سپاہیوں اور جاں باز افسروں کی کمی نہ تھی جو بھوک ننگ اور آلات حرب کی قلت کے باوجود انگریز فوج سے مرتے دم تک لڑنے کا تہیہ کر چکے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں نے دلی کا دفاع کرنے میں خون کا آخری قطرہ تک بہا دیا تھا۔

انگریزی فوج نے ۸۔ ستمبر کو کشمیری دروازے، موری دروازے اور کابلی دروازے سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر کافی تعداد میں فصیل شکن توپیں نصب کر کے فصیل اور قلعہ پر گولہ باری شروع کر دی تھی۔ ایک طرف سے انگریزی مورچوں کی گولہ باری سے شہر پر آگ برس رہی تھی اور دوسری طرف شہر کے دیواروں سے ان مورچوں پر جواباً آگ برسائی جا رہی تھی۔ میجر ریڈ (Major Reid) کے بہ قول اس نے بنگال آرٹلری کے توپچیوں سے زیادہ نشانہ زن توپچی اپنی زندگی میں نہیں دیکھے تھے۔ یہ وہی توپچی تھے جو شہر کی لرزتی ہوئی دیواروں سے

Scanned by CamScanner

انگریزوں کے مورچوں پر آگ برسا رہے تھے۔ انگریزوں کے بھاری توپ خانہ کی [illegible]
بم باری ۱۳۔ ستمبر تک برابر جاری رہی۔ اس بم باری کا مقصد کشمیری دروازہ [illegible]
میں ایک بڑا شگاف ڈالنا تھا اور یہ مقصد پورا ہو چکا تھا اور ۱۳۔ ستمبر کو پچاس فٹ [illegible]
نمودار ہو چکا تھا۔ (۸۹) اسی شام کو نکلسن نے انجینئر لینگ (Lang) کو فصیل کا معائنہ [illegible]
کا حکم دیا۔ رات دس بجے توپ خانہ خاموش ہوا اور لینگ نے معائنہ کر کے تصدیق [illegible]
شگاف کے ذریعے شہر میں داخل ہو سکتی ہے۔ (۹۰) اب شہر پر حملہ شروع کیا گیا یہ حملہ [illegible]
حملہ آور دستوں نے شروع کیا تھا۔ اس بڑے اور فیصلہ کن حملے کی کمان [illegible]
(Nicholson) کے سپرد تھی۔ شہر کی فصیلوں اور اندرون شہر سے انقلابی فوج شدید [illegible]
کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ گولہ بارود کی کمی کے باوجود ان لوگوں نے بڑی جاں بازی کا مظاہرہ کیا
جس سے انگریزی فوج کو نقصان پہنچا۔ ۱۳ ستمبر سے ۱۸ ستمبر تک خوف ناک جنگ کا سلسلہ جاری
رہا۔ ان ایام کے بارے میں ظہیر دہلوی نے چشم دید واقعات قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لاہوری دروازہ سے لگا کر کابلی دروزاہ کی نہر تک تمام تیلی واڑہ کے میدان میں پھیلی ہوئی ترمن تھی اور انگریزی فوج کے اور اس کے درمیان فقط ایک نہر حائل تھی اور برابر دونوں طرف سے بندوق کی باڑ جھڑ رہی تھی اور پہاڑی کے مورچوں کی توپیں اور دستی توپ خانے داغ رہے تھے علیٰ ہذا القیاس پوربیوں کی طرف سے لاہوری دروازہ کے برج کی توپیں گھوڑ چڑھی اور بیل براتری توپ خانے سب چل رہے تھے۔ گولہ، گراب اور باڑوں کا دونوں طرف سے مینہ برس رہا تھا۔ اس دن شہر کی زمین اور مکانات اور سب دیوار و در لرز رہے تھے۔ بندوقوں کی باڑیں متصل جاری تھیں۔ لڑائی کیا قیامت کے آثار نمودار تھے اور مصداق اذا زلزلت الارض زلزالھا کا آشکار تھا۔ خدا جانے طرفین سے

Scanned by CamScanner

تین سو توپ چل رہی تھی یا چار سو توپ کی باڑھ چل رہی تھی۔ اس ظالم
خدا کو یہ غرض کہ یہ کیفیت صبح کے پانچ بجے سے شروع ہوئی تھی اور دس
بجے تک یہ قیامت برپا رہی۔"

شہر کی فصیل کو پار کر کے انگریزوں کی فوج کے دستے بالآخر جامع مسجد کی سیڑھیوں تک جا پہنچے تھے۔ ان دستوں کا مقابلہ شہر کے لوگوں نے کیا۔

"ایک پلٹن انگریزی فوج کا مسجد کی سیڑھیوں تک آ پہنچا تھا اور کچھ لوگ فوج کے رعایا کے گھروں میں گھس کر لوٹ مار کرنے لگے ادھر فوجیوں نے یہ چاہا کہ جامع مسجد میں داخل ہو جائیں۔ مسجد میں جو مسلمان مسافر جمع تھے انہوں نے دیکھا کہ اب یہ خدا کے گھر میں آ کر کشت و خون کریں گے۔ آؤ بہتر تو یہ ہے کہ مسجد سے نیچے اتر کر ان سے سمجھ لیں۔ یہ کہہ وہ مسجد کے دروازے سے باہر نکل کر سیڑھیوں پر سے اترنے لگے۔ فوج والوں نے ان پر بندوقیں سر کیں مگر جو زندہ رہے وہ سامنے چلے اور باہم جنگ مغلوبہ دست بدست ہونے لگی۔ ایک غل شور برپا اور بلوہ ہو گیا۔ لوگ گھروں میں سے لکڑیاں، پلنگ کی پٹیاں، تلواریں لے لے کر دوڑ پڑے۔ اس پلٹن میں سے کچھ مارے گئے جنگی لاشیں موجود ہیں اور باقی بھاگ کر اپنے لشکر کو چلے گئے۔ میں یہ تماشا دیکھتا ہوا بڑے دریبے میں ہو کر خونی دروازہ سے نکل کر کوتوالی کے آگے پہنچا۔ میں نے جامع مسجد سے لگا کر کوتوالی تک لاشیں برابر پڑی دیکھیں۔" (۹۱)

انقلابی فوجیوں نے انتہائی دلیری کے ساتھ تمام معرکوں میں مقابلہ جاری رکھا تھا۔ ...لیے ایک مرحلہ پر انگریزی فوج کا کمان دار ولسن (Wilson) حملہ ختم کر کے کیمپ میں واپسی ...نصوبہ بنا رہا تھا مگر اس مرحلہ پر نکلسن (Nicholson) نے (جو اس جنگ میں شدید زخمی

Scanned by CamScanner

ہو کر اپنے نیچے میں چلا مر رہا تھا) (ر) بہت جالات کی اور عمل جاری رکھے ...

۱۹۔ ستمبر کو دلی شہر میں صبح نو بجے سورج گرہن دیکھا گیا۔ (۹۳) دلی کے ...

علامت سمجھا گیا۔

۱۹۔ ستمبر کا دن اہل دلی اور لال قلعہ پر بہت بھاری تھا۔ انگریز شہر کے ...
مقامات پر قبضہ کر چکے تھے اور ان کی آخری منزل قلعہ تھا۔ اس روز بہادر شاہ نے ...
الوداع کہا۔ بہادر شاہ کی بیٹی کلثوم زمانی بیگم نے اس دردناک رات کے واقعات بیان ...
اس کا کہنا تھا کہ جس وقت میرے بابا جان کی بادشاہت ختم ہوئی اور تاج و تخت چھٹ ...
دلی کے لال قلعہ میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ در و دیوار پر حسرت برس رہی تھی۔ اجلے اجلے ...
کر مکان کالے سیاہ نظر آتے تھے۔ ہم سب اسی یاس و ہراس کے عالم میں بیٹھے تھے کہ حضرت
ظل سبحانی کا خاص خواجہ سرا ہم کو بلانے آیا۔ آدھی رات کے وقت سناٹے کا عالم طاری تھا
گولوں کی گرج سے دل بیٹھے جاتے تھے۔ حضور مصلے پر تشریف رکھتے تھے۔ تسبیح ہاتھ میں تھی۔
میں جھک کر تین بار مجرا بجا لائی۔ حضور نے نہایت شفقت سے فرمایا کلثوم! لو اب تم کو خدا کو
سونپا۔ قسمت میں ہے تو پھر دیکھ لیں گے۔ جی تو نہیں چاہتا کہ اس آخری وقت میں تم بچوں کو
آنکھ سے اوجھل ہونے دوں پر کیا کروں ساتھ رکھنے میں تمہاری بربادی کا اندیشہ ہے۔ پھر حضور
نے رعشہ سے کانپتے ہوئے دست دعا اٹھائے اور دیر تک بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے
رہے (۹۴)۔ ۱۹۔ ستمبر کو علی الصبح بہادر شاہ نے لال قلعہ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر درگاہ
نظام الدین اولیا کا رخ کیا۔ (۹۵) جہاں وہ کچھ دیر کے لیے رکا۔ اس وقت بادشاہ پر عجیب
ہراس اور مایوسی کا عالم طاری تھا۔ چند مخصوص خواجہ سراؤں اور کہاروں کے سوا کوئی آدمی ساتھ
نہیں تھا۔ فکر و اندیشہ سے بادشاہ کا چہرہ اترا ہوا تھا اور گرد و غبار سفید داڑھی پر جما ہوا تھا۔ بادشاہ
نے درگاہ کے خدام میں سے شاہ غلام حسن سے کہا مغلیہ حکومت کا چراغ دم توڑ رہا ہے اور کوئی
گھڑی کا مہمان ہے۔ اس کے بعد اس نے ایک صندوقچہ اہل درگاہ کے سپرد کیا۔ جس میں حضور

Scanned by CamScanner

[illegible] کے پانچ سال تھے [illegible] کی فتح کے بعد [illegible]
[illegible] تھے۔ [illegible] بادشاہ نے [illegible] کے لیے [illegible]
[illegible] روٹی اور [illegible] کا آرام [illegible] کیا۔ [illegible] بادشاہ نے [illegible] کے
بعد کھانا کر خدا کا شکر ادا کیا اور پھر یہاں سے [illegible] کے قبرستان میں پناہ حاصل کی۔ (۹۶)

شہر پر قبضہ مکمل کرنے کے بعد ۱۹ ستمبر کی رات کو لال قلعہ کے سامنے توپیں لگا دی گئی تھیں۔ اگلے روز دلی بنک کے احاطے سے انگریزی فوج توپوں کی گولہ باری کے سائے میں قلعہ کے دروازوں کے بارود بچھانے کے لیے بڑھی مگر یہاں انہیں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ دیر بعد قلعہ کا آدھا دروازہ دھماکے سے گر پڑا۔ اس کے بعد فوج کا ایک کپتان فریڈ مےسی (Fred Maisey) اپنے آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ سلیم گڑھ میں ہے اس لیے یہ پارٹی پر جوش انداز میں یہ سوچ کر آگے بڑھے کہ وہ بادشاہ کو گرفتار کر سکیں گے۔ مگر وہاں بادشاہ نہ تھا۔ یہ لوگ پھر لال پردے کے راستے سے آگے بڑھے۔ وہ شاہی خاندان کے افراد کو تلاش کرتے رہے ان کا خیال تھا کہ وہ لوگ اب بھی قلعہ کے اندر تھے۔ (۹۷)

دیوان خاص کے فرش پر برطانوی سپاہیوں کے بوٹوں کا شور تھا۔ اب صورت یہ تھی کہ یہاں کی ہر شے لوٹی جا رہی تھی۔ وحشی سپاہی لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہو گئے تھے۔ بندوق کی گولیاں تالے توڑ رہی تھیں۔ ایک گروہ عجیب قسم کے صندوقچے کھول کر جواہرات تلاش کر رہا تھا۔ دوسرا گروہ مصوری کے نمونے، کتابیں، بندوقیں، پستولیں لوٹ رہا تھا۔ کچھ لوگ مٹھائیاں اور شربت اٹھا رہے تھے۔ (۹۸)

۲۰۔ ستمبر کی رات کو برطانوی سپاہیوں نے جامع مسجد میں رقص کیا اور سکھوں نے فتح کی خوشی میں گولیاں چلائیں۔ جنرل ولسن اور اس کے ہیڈ کوارٹر کا سٹاف لال قلعہ کے دیوان خاص میں منتقل ہو گیا جہاں فتح کی خوشی میں اس رات انڈوں اور سؤر کے گوشت کا کھانا

Scanned by CamScanner

شاہ جہاں کی بحالی ہوئی پر شکوہ عمارت میں کھولا گیا اور علاوہ ازیں

شاہ جہاں کے دیوان خاص میں انگریز افسر اور سپاہی دوڑ دوڑ کر

رہے تھے۔ (۱۰۰)

سنگ مرمر کے در و دیوار رات بھر برطانوی افسروں کے نعروں اور قہقہوں سے

رہے اور وہ دیوانگی کے عالم میں شراب کے نشے میں چور ہو کر ناچتے رہے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں

طویل زمانہ تک ہندوستان کی قسمت کے فیصلے ہوتے رہے تھے۔ جہاں تک رسائی حاصل کرنے

کے لیے بہت سے شاہی آداب بجا لانے پڑتے تھے اور یہ مقام مغلوں کی عظمت اور جلال

کی علامت تھا۔ ۲۰۔ ستمبر کی رات کو برطانوی سپاہ کے پاؤں اس مقام کو روند رہے تھے۔

۲۱۔ ستمبر کو ولسن کے لیے سب سے اہم مسئلہ اس ٹھکانے کی نشان دہی کا تھا جہاں

کا آخری بادشاہ پناہ گزیں تھا۔ برطانوی سپہ سالار (ولسن) نے یہ کام محکمہ سراغ رسانی کے

افسر کیپٹن ہوڈسن (Hodson) کے سپرد کیا تھا۔ جو نہایت خودسر اور ازبس سنگ دل انسان تھا۔

ہوڈسن (Hodson) نے بہادر شاہ کی تلاش کا فریضہ منشی رجب علی کو تفویض کیا تھا جو

سراغ رسانوں کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس کام میں مرزا الٰہی بخش کی مدد بھی حاصل تھی۔ رجب علی کے

سراغ رسانوں نے یہ خبر مہیا کی تھی کہ بادشاہ منتخب اہل خاندان کے ساتھ مقبرہ ہمایوں میں پناہ

گزیں ہے۔ یہ اطلاع ہوڈسن (Hodson) کے ذریعے ولسن (Wilson) تک پہنچ چکی تھی اور

ولسن (Wilson) نے بادشاہ کو گرفتار کرنے کا کام ہوڈسن (Hodson) ہی کے سپرد کیا تھا اور

اسے بادشاہ اور خاندان کی جان بخشی کی اجازت بھی دے دی گئی تھی۔ (۱۰۱)۔ ۲۰۔ ستمبر کو سقوط

دلی کے بعد جنرل بخت خان اور دیگر سرداروں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ

درخواست کی کہ تھی کہ وہ لشکر کے ساتھ اودھ اور روہیل کھنڈ چلے جہاں جنگ کو جاری رکھا جائے

گا اور ہندوستان بادشاہ کے نام پر جنگ کرے گا۔ اس تجویز کے خلاف مرزا الٰہی بخش نے بات

کی۔ بادشاہ کو اس کے بڑھاپے اور زوال کا احساس دلا کر بددل کیا۔ نتیجتاً اس نے بخت خان کا

Scanned by CamScanner

بہادر شاہ اور مقبرہ ہمایوں پر پہنچا۔ جہاں ہوڈسن اور اس کے ساتھی گرفتاری کے لیے پہنچے۔ ہوڈسن نے بادشاہ اور خاندان کے دیگر افراد کو جان بخشی کا وعدہ کر کے انہیں گرفتار کیا اور قلعہ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں بادشاہ اور ملکہ زینت محل کو ایک نہایت ادنیٰ مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔ یہ خاطر یہ سالار ولسن (Wilson) نے ۲۲ ستمبر کی دوپہر کو لال قلعہ کے محل شاہی سے ایک مکتوب لکھتے ہوئے اس مکان کو بادشاہ کے لیے honourable confinement کہا تھا۔ ہوڈسن نے شاہی خاندان سے جو ہتھیار حاصل کیے تھے ان میں سے شہنشاہ جہانگیر کی تلوار اسے ولسن نے لینے کی اجازت دی (۲۰۳)۔

بہادر شاہ کی گرفتاری کے بعد کمپنی کی افواج کے لیے دوسرا اہم مسئلہ شہزادوں کو گرفتار کرنے کا تھا۔ اس مقصد کے لیے بھی ہوڈسن (Hodson) کو مقرر کیا گیا تھا اس مہم کا حال ہوڈسن کے بھائی نے اپنی کتاب "Twelve years in India" میں لکھا تھا۔ ہوڈسن نے یہ کام نہایت مکاری اور سفاکی سے انجام دیا تھا۔ اس کے بھائی نے اس مہم کا حال یوں بیان کیا ہے:

"کیپٹن ہوڈسن اور لیفٹیننٹ میکڈوول ضروری اجازت لینے کے بعد ایک سو چیدہ سواروں کو لے کر (ہمایوں کے) مقبرہ کی طرف گئے اور وہاں پہنچ کر رجب علی اور شہزادوں کے ایک چچا زاد بھائی (مرزا الٰہی بخش سے مراد ہے) جس کو جان بخشی کے وعدہ پر خریدا جا چکا تھا۔ شہزادوں کے پاس یہ منوانے کے لیے بھیجا کہ وہ خود کو غیر مشروط طور پر حوالے کر دیں ورنہ انجام کی ذمہ داری ان پر ہوگی۔ مقبرے پر اس وقت تین ہزار مسلمان جمع تھے اور کچھ لوگ آس پاس کے علاقوں کے بھی تھے۔ یہ سب اسلحہ سے لیس تھے۔ بات چیت دو گھنٹے جاری رہی۔ آخر کار شاہزادوں کو خود کو انگریزوں کے رحم و کرم پر چھوڑنے پر آمادہ کر

Scanned by CamScanner

لیا گیا۔ یہ فیصلہ ان کے جاں نثاروں اور عقیدت مندوں کے جذبوں کے خلاف کیا گیا۔ اس لیے کہ ایسے سب لوگ اپنی چیخ و پکار کے ذریعے اپنے غصے کا اظہار کر رہے تھے اور شاہ زادوں سے دو انگریز افسروں اور حکموں کے خلاف (جن سے ان کی جانی اور مذہبی دشمنی مسلم تھی) اعلان جنگ کی التماس کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد تینوں شاہ زادے چاروں طرف سے بند رتھ میں (جو عام طور پر ہندوستانی عورتوں کے سفر کے لیے استعمال ہوتی ہے) بیٹھ کر باہر آئے۔ شاہ زادوں کے چہروں سے کوئی فکر یا اندیشہ ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے ہوڈسن کو سلام کر کے کہا انہیں یقین ہے کہ ان کا فیصلہ ایک باقاعدہ عدالت کے ذریعے ہوگا (اس کا مطلب ہے کہ ان سے یہی طے ہوا ہوگا) ہوڈسن نے ان کے سلام کا جواب دیا اور گاڑی بان کو دہلی چلنے کی ہدایت کی۔ لوگ شاہ زادوں کے ساتھ ساتھ چلنے پر مصر تھے مگر ان کو منع کر دیا گیا اور ان کو ہتھیار چھوڑنے کی ترغیب دی گئی۔ اس میں کافی وقت صرف ہوا۔ جب یہ سب طے ہو گیا تو ہوڈسن رتھ کے پیچھے چلا اور دہلی سے ایک میل دور اور ہمایوں کے مقبرے سے پانچ میل دور ایک مقام پر ان سے جا ملا۔ گاڑی کے گرد ایک ہجوم جمع تھا اور ڈر تھا کہ یہ لوگ حفاظتی دستے پر حملہ نہ کر دیں۔ ہوڈسن نے اپنے گھوڑے کو درمیان میں لاتے ہوئے کہا:

"اس کی قید میں جو لوگ ہیں قصابوں سے کم نہیں۔ انہوں نے قتل و خون کے علاوہ عورتوں اور بچوں پر بے حد مظالم کیے ہیں۔"

ں پر اسلحے سے لدے سکھ سپاہی جو ہوڈسن کے ساتھ تھے جوش و خروش

Scanned by CamScanner

> سے ہوڈسن کی حفاظت میں مقبرے سے نکلنے لگے۔ ہزاروں لوگوں کا ہجوم پیچھے چلنے لگا۔ ہوڈسن نے رتھ کو سپاہیوں کے گھیرے میں لے لیا اور شاہ زادوں کو باہر آنے کا حکم دیا۔ ان کے باہر آتے ہی ان سے ہتھیار چھین لیے گئے اور انہیں کپڑے اتارنے پر مجبور کیا اور انہیں دوبارہ رتھ میں بیٹھنے کو کہا۔ ان کے رتھ میں بیٹھتے ہی ہوڈسن نے بذات خود ان کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ شاہ زادوں کا اسلحہ، کپڑے اور زیورات سمیٹنے کے بعد ہوڈسن شہر پہنچا اور شاہ زادوں کی لاشوں کو شہر کے تھانے کے سامنے ڈال دیا۔ (یہ لاشیں اس وقت تک وہاں پڑی رہیں جب تک حفظان صحت کا خطرہ لاحق نہ ہو گیا) یہ وہی جگہ تھی جہاں دو سو سال قبل اورنگ زیب نے سکھوں کے گرو تیغ بہادر کے سر کو رکھا تھا۔ اس حسن اتفاق پر سکھ بہت مسرور ہوئے۔ ہوڈسن بھی خاندان تیموریہ کے آخری چراغ بجھا کے بے حد مسرور تھا۔" (۱۰۳)

سقوط دلی کے بعد لوٹ مار اور قتل و غارت کے سبب شہر کا منظر بے حد خوف ناک ہو چکا تھا۔ ان ایام میں ایک برطانوی افسر رابرٹس (Roberts) نے شہر کی دردناک حالت کا منظر پیش کرتے ہوئے یہ بتایا ہے:

> "لال قلعے کے لاہوری دروازے سے نکل کر ہم چاندنی چوک میں سے گزرے۔ دہلی حقیقتاً شہر خموشاں معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے اپنے گھوڑوں کے سموں کی آواز کے سوا کوئی آواز کسی سمت سے نہ آتی تھی۔ ایک بھی زندہ مخلوق ہماری نظر سے نہ گزری۔ ہر طرف نعشیں بکھری پڑی تھیں۔ ہر نعش پر وہ حالت طاری تھی جو موت کی کشمکش نے طاری کر دی تھی۔ ہر نعش تجزیہ و تحلیل کے مختلف مراحل میں تھی۔ ہم چپ چاپ چلے جا رہے تھے یا سمجھ

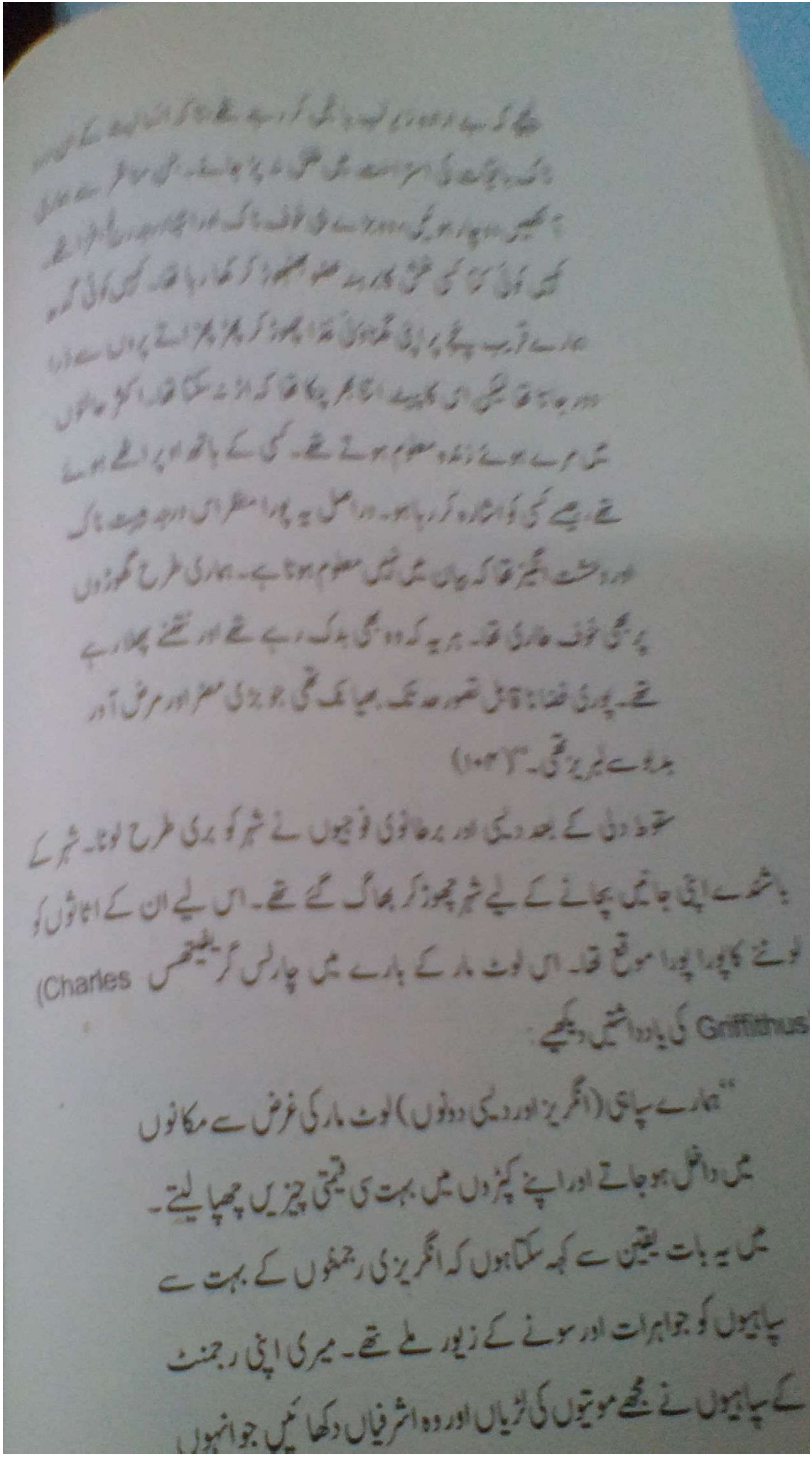

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کہیں کوئی کتا کسی لاش کا [illegible] چھوڑ کر کھا رہا تھا۔ کہیں کوئی گدھ ہمارے قریب پیچھے پڑی ہوئی [illegible] چھوڑ کر [illegible] اپنے پاؤں سے اور [illegible] تھا لیکن اس کا جسم اتنا اکڑ چکا تھا کہ ہل نہ سکتا تھا۔ اکثر لاشوں میں مرے ہوئے زندہ معلوم ہوتے تھے۔ کسی کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے جیسے کسی کو اشارہ کر رہا ہو۔ دراصل یہ پورا منظر اس درجہ عبرت ناک اور دہشت انگیز تھا کہ بیان میں نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ہماری طرح گھوڑوں پر بھی خوف طاری تھا۔ ہر چیز کہ وہ بھی بدک رہے تھے اور نتھنے پھلا رہے تھے۔ پوری فضا ناقابل تصور حد تک بھیانک تھی جو بڑی سڑاند اور مرض آور بو سے لبریز تھی۔" (۱۰۳)

سقوط دلی کے بعد دیسی اور برطانوی فوجیوں نے شہر کو بری طرح لوٹا۔ شہر کے باشندے اپنی جانیں بچانے کے لیے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اس لیے ان کے اثاثوں کو لوٹنے کا پورا پورا موقع تھا۔ اس لوٹ مار کے بارے میں چارلس گریفتھس (Charles Griffithus) کی یادداشتیں دیکھیے:

"ہمارے سپاہی (انگریز اور دیسی دونوں) لوٹ مار کی غرض سے مکانوں میں داخل ہو جاتے اور اپنے کپڑوں میں بہت سی قیمتی چیزیں چھپا لیتے۔ میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ انگریزی رجمنٹوں کے بہت سے سپاہیوں کو جواہرات اور سونے کے زیور ملے تھے۔ میری اپنی رجمنٹ کے سپاہیوں نے مجھے موتیوں کی لڑیاں اور وہ اشرفیاں دکھائیں جو انہوں

نے لوٹ میں حاصل کی تھیں۔ افسروں اور سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد نے بڑی بڑی رقمیں دے کر فوج سے علیحدگی حاصل کر لی تھی۔"

"شروع شروع میں کئی ایک سپاہی لوٹ مار سے باز رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان سے کہیں بلند درجہ کے افسر لوٹ مار میں شریک ہیں تو ان کی دیانت بھی ختم ہو گئی۔ ہر شخص میں یہ خواہش پیدا ہو چکی تھی کہ وہ لوٹ کھسوٹ کے مال سے اپنے آپ کو دولت مند بنا لے۔ جب میں اپنے دوستوں کے ساتھ لوٹ مار کے ارادوں سے شہر میں جاتا تو میں دوسرے افسروں کو بھی لوٹ کی تلاش میں پاتا۔ یہ اتفاقی ملاقاتیں بہت دلچسپ ہوتی تھیں۔ دونوں طرف سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی کہ ان کا مقصد لوٹ مار نہیں بلکہ محض سیر و تفریح تھا۔

"ایک دن ایک چھوٹے سے مندر میں داخل ہوئے۔ یہ مندر چاندنی چوک سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ مندر کی عمارت کے درمیان ایک بہت بڑا بت تھا جسے ہمارے ہتھوڑوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بت نے جواہرات، ہیرے، لعل، زبرجد اور اشرافیاں اگل دیں۔ ہم نے بہت سی قیمتی چیزیں اپنے پاس رکھ لیں اور کچھ سامان پرائز ایجنسی میں بھیج دیا۔

"ان واقعات کو کئی سال گزر چکے ہیں۔ لیکن ان تین ہفتوں کی لوٹ مار کی یاد اب تک میرے ذہن میں باقی ہے۔ میری زندگی کے یہ واقعات پریوں کے قصوں یا الف لیلہ کی کہانیوں سے زیادہ ملتے جلتے ہیں۔"

"انگلستان کے جس شہر میں ہم رہتے تھے وہاں کے جوہریوں کی دکانیں مشرقی وضع کے زیوروں سے بھری پڑی تھیں۔ جوہریوں نے یہ سارا سامان ہمارے سپاہیوں سے خریدا تھا۔" (۱۰۵)

Scanned by CamScanner

Each street was filled with a mass of debris, all lying in inextricable confusion... We entered several of the large houses belonging to the wealthier class of natives and found every one in the same condition, turned inside out, their ornaments torn to pieces, costly articles, too heavy to remove, hattered into fragments ... We saw parties of Europeans and native soldiers, all eager in pursiut of plunder, going from house to house, or diving down courts and alleys when they saw us approaching. Interference or remonstrance with these men would have been useless, if not dagerous; in their excited state they were no respecters of persons, and we deemed it the better judgement to take no notice of their actions ... To my certain knowledge many soldiers of the English regiments got possession of jewellery and gold ornaments taken from the

Scanned by CamScanner

bodies of the slain city inhabitants, and I was shown by men of my regiment strings of pearls and gold *mohurs* which had fallen into their hands ... That many of the private soldiers of my regiment succeeded in acquiring a great quantity of valuable plunder was fully demonstrated soon after our return to England.

Although much, perhaps most, of the treasure unearthed was appropriated by those who discovered it, an enormous quantity was handed over to the prize agents who seem to have added to their collections by the most ruthless methods."(۱۰۴)

کرنل بوشیر (Colonel Bourchier) نے دلی پر قبضے کے بعد لال قلعہ کی دیواروں سے شہر کو دیکھتے ہوئے اپنی ڈائری میں یہ لکھا تھا کہ تباہی کے دیوتا نے اس تباہی پر بھرپور جشن منایا ہے۔ کشمیری اور موری دروازے کے قرب و جوار کے مکان کھنڈرات بن گئے تھے۔ انگریز فوج کے تھکے ہارے سپاہی فتح کے بعد شراب کے نشے میں دیوانے ہو گئے تھے۔ شہر میں داخلے کے بعد انہیں جو کوئی انسان نظر آیا وہ مار ڈالا گیا۔ ایسے انسانوں کی تعداد کثیر تھی۔(۱۰۷) شہر میں اس وقت کسی شخص کی جان محفوظ نہ تھی۔ تمام صحیح الجثہ اشخاص جو دکھائی دیے باغی قرار دیے گئے اور انہیں گولی مار دی گئی۔ دیگر لوگ بھی جنہوں نے بغاوت میں کسی قسم کا حصہ نہیں لیا تھا، قتل کیے گئے۔ شہر کے بہت سے نامی لوگ مارے گئے کیوں کہ ان کی نسبت غلطی

Scanned by CamScanner

سے سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ باغی ہیں۔

انقلابی سپاہیوں اور عام لوگوں کو بے دردی سے پھانسی پر لٹکایا گیا۔ دلی میں چاندنی چوک کی کوتوالی کے سامنے ایک حوض کے تین طرف پھانسیاں دی جاتی تھیں جہاں ایک طرف تماشائیوں کے لیے کرسیاں بچھی رہتی تھیں۔ تیسرے پہر فوجی بینڈ بجایا جاتا تھا اور مجرموں کی قطاریں پیش ہوتی تھیں۔ ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوتے تھے۔ کچھ لوگ دار پر چڑھا دیے جاتے اور باقی موت کے منتظر رہتے تھے۔ (۱۰۸) جلادوں سے کہا جاتا کہ مجرموں کو دیر تک لٹکائے رکھیں تاکہ انگریز سپاہی باغیوں کی موت کا رقص دیکھ سکیں۔ انگریز سپاہی سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے پھانسی کے منظروں سے مسرور ہوتے۔ (۱۰۹)

''وہ گھٹا جو کالوں کی بغاوت کا لباس پہن کر آسمان جہاں آباد پر نمودار ہوئی تھی۔ اب اس سے خون کی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ مشکل ہی سے کوئی ایسا خاندان ہوگا جس کے گھر اور دران چھینٹوں سے محفوظ ہوں۔ رات کے وقت جب مامتا کی ماریوں کے نالے بلند ہوتے تھے تو سننے والوں کا کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ اور صبح کے وقت جب گھونگھٹ کی دلہنوں کے خاموش آنسو بیوگی کی فریاد کرتے تو در و دیوار ان کے ساتھ روتے۔ مصائب کے اس طوفان میں گنہگار اور بے گناہ سب بہہ رہے تھے۔ جہاں اطمینان و مسرت کی ریل پیل تھی وہاں کہرام مچے ہوئے تھے، دودھ پیتے بچے بلوں بلوں کرتے اور حسن کی دیویاں دو دو دانوں کو ترستیں۔ مخبروں کا راج اور پھانسیوں کا بازار گرم تھا۔ ہر وقت ست ہی ست پر جان تھی کہ نہ معلوم کب گرفتار ہوں اور پھانسی لگ جائے۔ پھانسی کے پھندے مٹکاف صاحب کی جیب میں رہتے تھے اور وہ اپنے سامنے درخت میں بندھوا دیتے تھے دو دو مجرم ایک ایک درخت کے

Scanned by CamScanner

پیچھے پشت کی طرف مشکیں باندھ کر اٹھا دیے جاتے تھے اور صاحب کے
حکم سے پھانسی ہو جاتی تھی۔"(۱۱۰)

بہادر شاہ ظفر کو گرفتاری کے بعد ایک نہایت معمولی جگہ پر بند کر دیا گیا تھا۔ جہاں ان کے ساتھ بڑی ذلت کا سلوک کیا جا رہا تھا۔ اسے کینڈل کوگ ہل (Kendal cog hill) کی نگرانی میں دیا گیا تھا۔ کوگ ہل بہادر شاہ کو سور کہنے سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔۔۔ مسز رتھ ایم۔ کوپ لینڈ (Ruth M.Coopland) نے بہادر شاہ کو سقوط دلی کے کچھ دیر بعد دیکھا تھا۔ اس نے دلی کے معزول بادشاہ کو جس حالت میں دیکھا تھا اس کا نقشہ وہ یوں بیان کرتی ہے:

"In the afternoon Captain and Mrs Garstone and myself, with another officer and his wife, went to see the King of Delhi. drove down the Corridor into a dirty street ... We then came to a large ruined, broken-up garden, where we were joined by Mr Omanney, a young civilian, who had charge of the king. We climbed some steep steps on to the terrace, where some more guards were walking before the door, and entered a dirty-looking house, then the abode of the 'king of kings', the descendant of a long line of Moguls, including Shah Jehan, Aurangzebe, and Timour. Pushing aside the purdah, we entered a small, dirty, low room with

Scanned by CamScanner

white-washed walls, and there, on a low charpoy, cowered a thin small old man, dressed in a dirty white suit of cotton, and rolled in shabby wraps and rezais, on account of the cold. At our entrance he laid aside the hookah he had been smoking, and he, who had formerly thought it an insult for any one to sit in his presence, began salaaming to us in he most abject manner, and saying he was 'burra kooshee' (very glad) to see us.

As we looked at him we though how strange it was that this frail old man, tottering on the bring of the grave, could harbour such a plot and such deep revengeful feelings against us. His face was pale and wan, and his eyes weak and uncertain, seeming to shun our scrutiny; but an aristocratic expression of face reminded us of his noble descent. He had a venerable-looking white beard, and he swayed about in a frail decrepit way, exciting feelings that were a mixture of

Scanned by CamScanner

the degraded position to which he had brought himself by his wild scheme of reinstating himself on a throne which he could only hope to enjoy for a passing year or two; abhorrence, that he could give up our poor countrymen to be brutally murdered, and even, it is said, feast his eyes and ears on their dying anguish; and pity, that he should have so short a time for repentance, and that the descendant of a line of kings, whose splendour and power were boundless, should be thus degraded.

We ladies, after gazing at the king and his son, Jumma Bukh, son of Zeenat Mahal, the king's favourite wife, who had a shrewd clever face for a boy about fourteen, were allowed to see the queen, Zeenat Mahal - a favour not granted to the gentlemen. It seemed absurd to humour thus their silly prejudices, when they had spared no European in their power any indignity or insult. However, we raised the 'chick' which separated the queen's room from the king's, and entered a

Scanned by CamScanner

very small bare, shabby room. Seated on a charpoy we beheld a large bold-looking woman, with not the least sign of royalty of dignity about her. She seemed about forty, her complexion was tawny; and her face large and coarsely featured, with daring black eyes and wide mouth, and dark hair partially concealed under her white cotton chudda (veil). She wore a cotton dress of black print and but few ornaments; her small and well-shaped hands and feet were bare. Judging from her looks, she seemed capable of inciting tbe king on the deeds of blood, which she was accused of havng done. She began asking Mrs Garstone and the other lady about their husbands, and why Mrs Garstone had not brough her children, as she wished to see them; then, looking at my black dress, she sneeringly asked me what had become of my 'sahib'. I wa so angry at her look and tone of heartless contempt, that I said, 'Chupero' (silence), an walked out of her presence ...

Scanned by CamScanner

I afterwards heard that the king and queen did not live on very good terms. She said that he would still consider himself a king, and when she sent for things from the bazaar, he pronounced them not good enough for him; and that he would not smoke the tobacco when it came, because he did not consider it nice enough. He complained that she had plenty of concealed money and jewels, which she would not sacrifice to his comfort; so that Mr Omanney was obliged to allow him four annas a day, - about six pence.(۱۱۲)

ایک تنگ اور بوسیدہ کمرے کی معمولی سی چارپائی پر لیٹے ہوئے شخص کو دیکھ کر کوئی یہ باور نہ کر سکتا تھا کہ یہ مغلوں کی عظیم سلطنت کا آخری وارث بہادر شاہ ہے۔ انگریز افسر فخر کے ساتھ یہ بات سناتے تھے کہ دلی کے آخری مغل بادشاہ نے انہیں چارپائی سے اٹھ کر سلام کیا۔ سن ستاون کی بغاوت فرو ہونے کے چند مہینے بعد "لندن ٹائمز" کا مشہور صحافی ولیم رسل (William Russel) ہندوستان کے مختلف شہروں سے گزرتا اور لکھنو میں جنگ کے آخری ناظر کی رپورٹیں قلم بند کرتا ہوا دلی آیا تھا۔ وہ دلی کے آخری مغل بادشاہ سے ملنے کے لیے بھی گیا تھا۔ اس نے لال قلعہ کے ایک ویران اور تاریک کمرے میں میلے کچیلے لباس میں ملبوس سر پر معمولی ٹوپی پہنے ایک بیمار شخص کو دیکھا تھا جو پستہ قد تھا اور ضعیف تھا اور ایک برتن پر جھکا مسلسل قے کیے جا رہا تھا۔ اس کی قے ختم ہوئی تو وہ نقاہت سے ہانپنے لگا۔ رسل نے اس

Scanned by CamScanner

کمرے میں معزول بادشاہ کی چہیتی ملکہ زینت محل کی آوازیں پردے کے پیچھے سے آ رہی تھیں۔ وہ بہادر شاہ کے متعلق بری باتیں کہہ رہی تھیں۔ زینت محل نے کہا کہ یہ بڈھا اب تک بھی بادشاہ کی طرح بیٹھا ہے۔ میں اس سے قطع تعلق کر کے اسے چھوڑ جانا چاہتی ہوں۔ میں بہت تنگ ہوں۔ جب رسل بہادر شاہ کی اقامت گاہ سے باہر نکل رہا تھا تو زینت محل غصے سے بولتی جا رہی تھی اور بہادر شاہ کی آواز سنائی دے رہی تھی کہ اے خدا! اس عورت کی فریاد سن (۱۱۳)۔

زینت محل کی فریاد نہ سنی گئی۔ جنوری ۱۸۵۸ء میں بہادر شاہ پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ وہ اپنا کا اپنا بے دلی کے عالم میں مقدمے کی سماعت میں موجود رہا۔ شاہجہان کے بنائے ہوئے دیوان خاص میں یہ مقدمہ چلتا رہا تھا۔ مقدمے کی سماعت کے دوران میں اکثر اوقات وہ گم سم بیٹھا رہتا تھا۔ کبھی کبھی اس پر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ یہ بات یقینی ہے کہ اسے اپنے انجام کا علم تھا۔ ۹۔ مارچ ۱۸۵۸ء کو عدالت نے یہ فیصلہ سنایا:

> "عدالت اس شہادت پر جو اس کے پیش نظر ہے متفق ہے کہ ملزم محمد بہادر شاہ سابق بادشاہ دہلی تمام جرائم کے مجرم ہیں۔ جو ان کے خلاف بیان کیے گئے ہیں۔"

۹۔ اپریل کو میجر جنرل این پنی نے عدالت کے فیصلے کو منظور کرتے ہوئے سزا کی تصدیق کر دی۔ بہادر شاہ کو جلاوطن کر کے رنگون بھیجنے کی سزا دی گئی۔ ۷۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو تین پالکی نما گاڑیوں کے قافلے کی صورت میں اسے دلی سے رنگون جانے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ دلی کی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس سے آنسوؤں کی لڑیاں نہ بہہ رہی ہوں۔ بادشاہ نے اپنی سواری کے پردے اٹھا دیے۔ اس کے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف تھے اور وہ اہل وطن کو خدا کے سپرد کر رہا تھا۔ اس کے بعد کا زمانہ جلاوطنی کی حالت میں رنگون میں گزرا جہاں چار سال کی اذیت ناک زندگی کا خاتمہ نومبر ۱۸۶۲ء میں ہوا۔ یہ ۷۔ نومبر ۱۸۶۲ء میں رنگون شہر کی ایک صبح تھی۔ اس روز

Scanned by CamScanner

پت جھڑ کے پتے اڑتے پھر رہے تھے۔ صبح کے پانچ بجے تھے اسی صبح کو ہندوستان کا جلاوطن معزول بادشاہ جسم و جاں کی قید سے آزاد ہوا۔ اس کی تدفین کا بندوبست نگران برطانوی افسر کی موجودگی میں ہوا۔ تجہیز و تدفین کے لیے ایک ملا کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ اس کے جسم کو ساگوان کے ایک صندوق میں رکھ کر سرخ رنگ کے سوتی کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ ۷۔ نومبر ہی کو شام چار بجے اسے اینٹوں کی ایک قبر میں دفن کر دیا گیا اور قبر کے اوپر مٹی ڈال کر زمین کے برابر کر دیا گیا۔

حوالہ جات

۱۔ ناصر نذیر فراق دہلوی، لال قلعے کی ایک جھلک انتظار مرزا: مرتب (دلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء) ص ۶۸

۲۔ منشی فیض الدین، بزم آخر، کامل قریشی مرتب: (دلی: اردو اکادمی ۱۹۹۲ء) ۴۵

۳۔ بزم آخر، ص ۷۷

۴۔ بزم آخر، ص ۷۶

۵۔ مذکورہ حوالہ ۷۸

۶۔ بزم آخر، ص ۷۵

۷۔ ظہیر دہلوی، داستان غدر (لاہور: اکادمی پنجاب، ۱۹۵۵ء) ۶۸ ۔ ۶۷

۸۔

۹۔ لال قلعے کی ایک جھلک، ص ۶۹ ۔ ۶۸

۱۰۔ داستان غدر، ص ۷۱ ۔ ۸۹

۱۱۔ عتیق صدیقی، اٹھارہ سو ستاون۔ اخبارات و دستاویزات (دلی: مکتبہ شاہراہ) ۴۰ ۔ ۳۹

Scanned by CamScanner

۱۲۔ دل قلعے کی ایک جھلک، ص ۵۰

۱۳۔ داستان غدر، ص ۷۹

۱۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۸۰

۱۵۔ داستانِ غدر، ۷۹

۱۶۔ A narrative of Syed Mubarik Shah, reffered by Micheal Edwards in Red year (London:Hamish Hamilton, 1973) p.185

۱۷۔ داستانِ غدر، ۸۱

۱۸۔ Norman & Mrs.Kieth Young, Delhi 1857(Delhi: Gain Publishing House,1988)p.22

۱۹۔ John William Kaye, A History of the Great Revolt(Delhi: Gain Publishing House,1988)p79-80

۲۰۔ Ibid p.80

۲۱۔ اٹھارہ سو ستاون، اخبارات و دستاویزات، ص ۴۱

۲۲۔ Great Revolt, V.II, p.81

۲۳۔ ibid, p.81-82

۲۴۔ اٹھارہ سو ستاون اخبارات و دستاویزات، ص ۴۲

۲۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۰۱

۲۶۔ Delhi 1857, p.324

۲۷۔ Christopher Hawees, Poor Relations (Richmond: Curzon Press, 1996) 99-1-1

۲۸۔ اٹھارہ سو ستاون اخبارات و دستاویزات، ص ۴۵

Scanned by CamScanner

۳۰۔ اٹھارہ سو ستاون اخبارات و دستاویزات، ص ۳۹

۳۱۔ معین الدین حسن خاں، خدنگ غدر (دہلی: شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء)، ص ۱۰۷

۳۲۔ P.J.O. Taylor, A Companion to the Indian Mutiny of 1857. (Delhi: Oxford University Press, 1996), p.102

۳۳۔ داستان غدر، ص ۱۱۷۔۱۱۹

۳۴۔ اٹھارہ سو ستاون اخبارات و دستاویزات، ص ۳۵

۳۵۔ مذکورہ حوالہ ۴۳

۳۶۔ Great Revolt. V.II,p.100

۳۷۔ اٹھارہ سو ستاون اخبارات و دستاویزات، ص ۲۸۰

۳۸۔ مذکورہ حوالہ ص ۳۰۶

۳۹۔ مذکورہ حوالہ ص ۳۱۸

۴۰۔ مذکورہ حوالہ ص ۱۳۵

۴۱۔ اٹھارہ سو ستاون اخبارات و دستاویزات، ص ۴۷

۴۲۔ مذکورہ حوالہ ص ۵۳

۴۳۔ مذکورہ حوالہ ص ۶۱

۴۴۔ معین الدین حسن، جیون لال، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دو خفیہ روزنامچے (لاہور: تخلیقات، ۱۹۹۹ء) ۱۴۳۔۱۴۲

۴۵۔ مذکورہ حوالہ ص ۱۶۴

۴۶۔ مذکورہ حوالہ ص ۱۶۶

۴۷۔ مذکورہ حوالہ ص ۱۴۶

Scanned by CamScanner

۴۸۔ مذکورہ حوالہ ص ۱۴۸

۴۹۔ اٹھارہ سو ستاون اخبارات و دستاویزات، ص ۲۹۳

۵۰۔ دو خفیہ روزنامچے، ص ۱۲۵

۵۱۔ Delhi in 1857, p39,57

۵۲۔ ibid, 153

۵۳۔ P.J.D.Tylor, What Really Happened During the Mutiny
(Delhi:Oxford University Press, 1999) p.54

۵۴۔ ibid 56

۵۵۔ ibid 56

۵۶۔ The Punjab and Delhi in 1857, p.286

۵۷۔ ibid 290

۵۸۔ ibid 295

۵۹۔ داستان غدر، ص ۱۲۹۔۱۲۸

۶۰۔ Delhi and Punjab in 1857, p.297

۶۱۔ Christopher Hibbert, The Great Mutiny
(England:Penguin,1980)p.280

۶۲۔ ibid 281

۶۳۔ ibid 283

۶۴۔ ibid 283

۶۵۔ ibid 287-288

Scanned by CamScanner

۶۶۔ The Punjab and Delhi in 1857, p.298

۶۷۔ ibid p.302

۶۸۔ ibid p.305

۶۹۔ داستانِ غدر، ص ۱۴۳

۷۰۔ The Great Mutiny .p.290-291

۷۱۔ David Bloomfield, Lahore to Lucknow-Mutiny Journal of Arthur moffott lang (London: Leo Cooper, 1992) p.55

۷۲۔ The Great Mutiny, p.291

۷۳۔ John Harris, The Indian Mutiny (Hertord shire:wordnorth.2001)p.125-126

۷۴۔ سلیم قریشی، غداروں کے خطوط (لاہور: نگارشات، ۱۹۹۹ء) ۱۷۹

۷۵۔ داستانِ غدر، ۱۴۳

۷۶۔ مذکورہ حوالہ ۲۰۶

۷۷۔ مذکورہ حوالہ ۲۱۷

۷۸۔ اٹھارہ سو ستاون اخبارات و دستاویزات، ۳۳۳

۷۹۔ غداروں کے خطوط، ۲۱۸

۸۰۔ مذکورہ حوالہ ۱۶۴، ۱۷۱

۸۱۔ مذکورہ حوالہ ۲۴۶

۸۲۔ مذکورہ حوالہ ۲۴۹

۸۳۔ مذکورہ حوالہ ۱۹۰

۸۴۔ مذکورہ حوالہ ۲۱۵

Scanned by CamScanner

۸۵۔ مذکورہ حوالہ ۲۲۰۔۲۱۹

۸۶۔ مذکورہ حوالہ ۲۳۷

۸۷۔ مذکورہ حوالہ ۲۳۸

۸۸۔ مذکورہ حوالہ ۲۳۹۔۲۴۴

۸۹۔ The Great Mutiny p.300-301

۹۰۔ Lahore to Lucknow, p.86

۹۱۔ داستان غدر، ص ۹۱

۹۲۔ The Great Mutiny,p.309

۹۳۔ Lahore to Lucknow, p.95-97

۹۴۔ خواجہ حسن نظامی، بیگمات کے آنسو (لاہور: خواجگان پبلی کیشنز، س۔ن) ۱۳۔۱۲

۹۵۔ Mehdi Hasan, Bahadur Shah and the war of 1857(Delhi: Atma Ram, 1958)p.280

۹۶۔ بیگمات کے آنسو، ۱۰۸۔۱۰۷

۹۷۔ William Dalrymple, The Last Mughal (London, Bloomsbury,2006) 376-378

۹۸۔ ibid 383-384

۹۹۔ ibid 384

۱۰۰۔ Lahore to Lucknow 97

۱۰۱۔ The Great Revolt 634

۱۰۲۔ ibid 655

۱۰۳۔ غداروں کے خطوط ۵۲۔۵۰

Scanned by CamScanner

۱۰۴۔ غلام رسول مہر، ۱۸۵۷ء، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۵۷) ۳۰۴

۱۰۵۔ پاری، کمپنی کی حکومت (لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۹) ۳۹۸

۱۰۶۔ The Grat Mutiny p.319

۱۰۷۔ Micheal Edwards, Red Year(London:Hamish Hamilton) p.59

۱۰۸۔ کمپنی کی حکومت ۳۹۷

۱۰۹۔ Red year p.60

۱۱۰۔ راشد الخیری، دلی کی آخری بہار، ص ۷۳

۱۱۱۔ The Great Mutiny, p.318

۱۱۲۔ Indra Ghose, Memsahibs Abroad(Delhi: oxford university press, 1998) 213-214

۱۱۳۔ William Howard Russel. My Indian Mutiny Diary(London: Cassell and company, 1957)172-176

Scanned by CamScanner

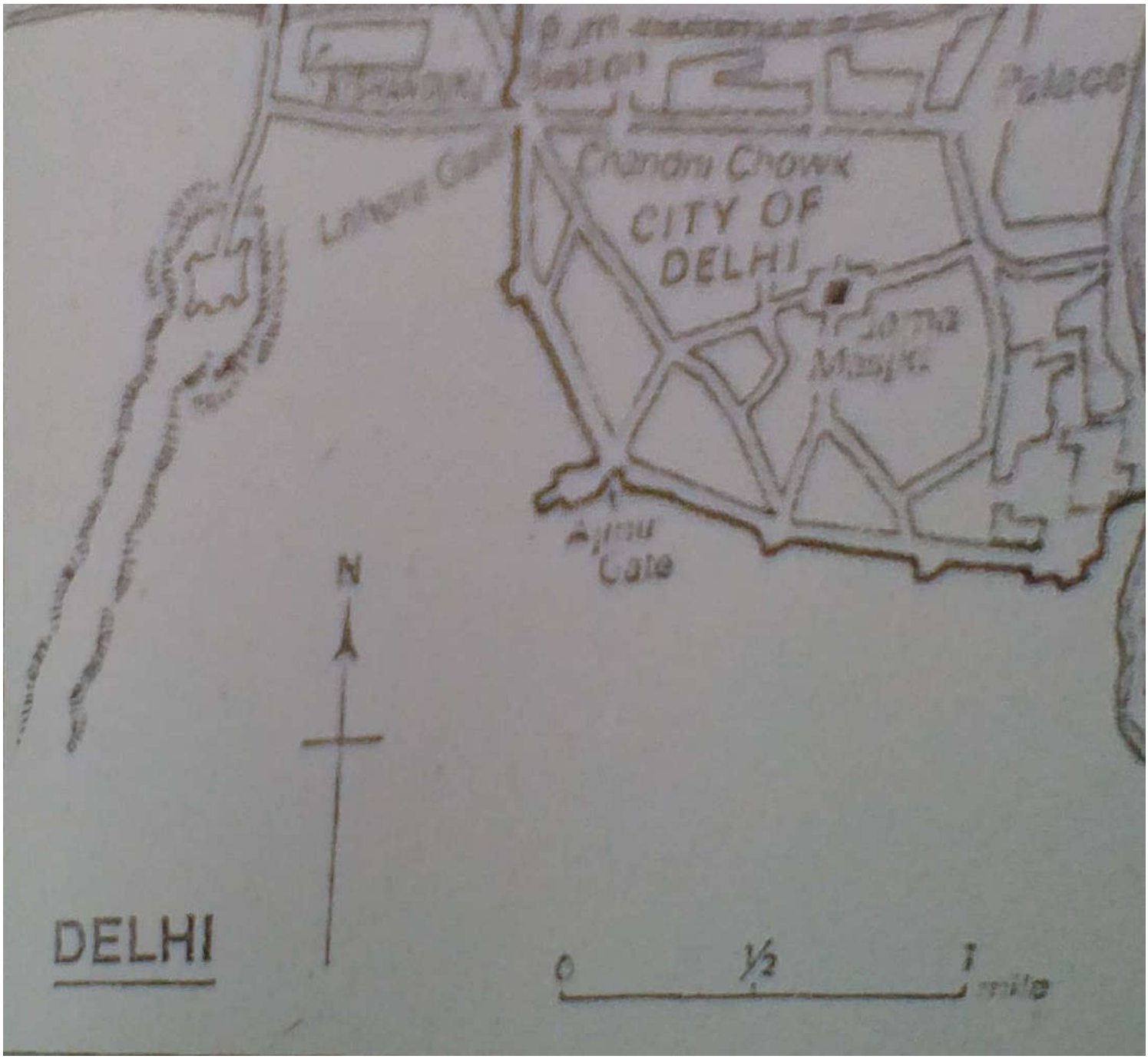

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

14 ستمبر کو کشمیری دروازے پر انگریز فوج کے حملے کا منظر

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

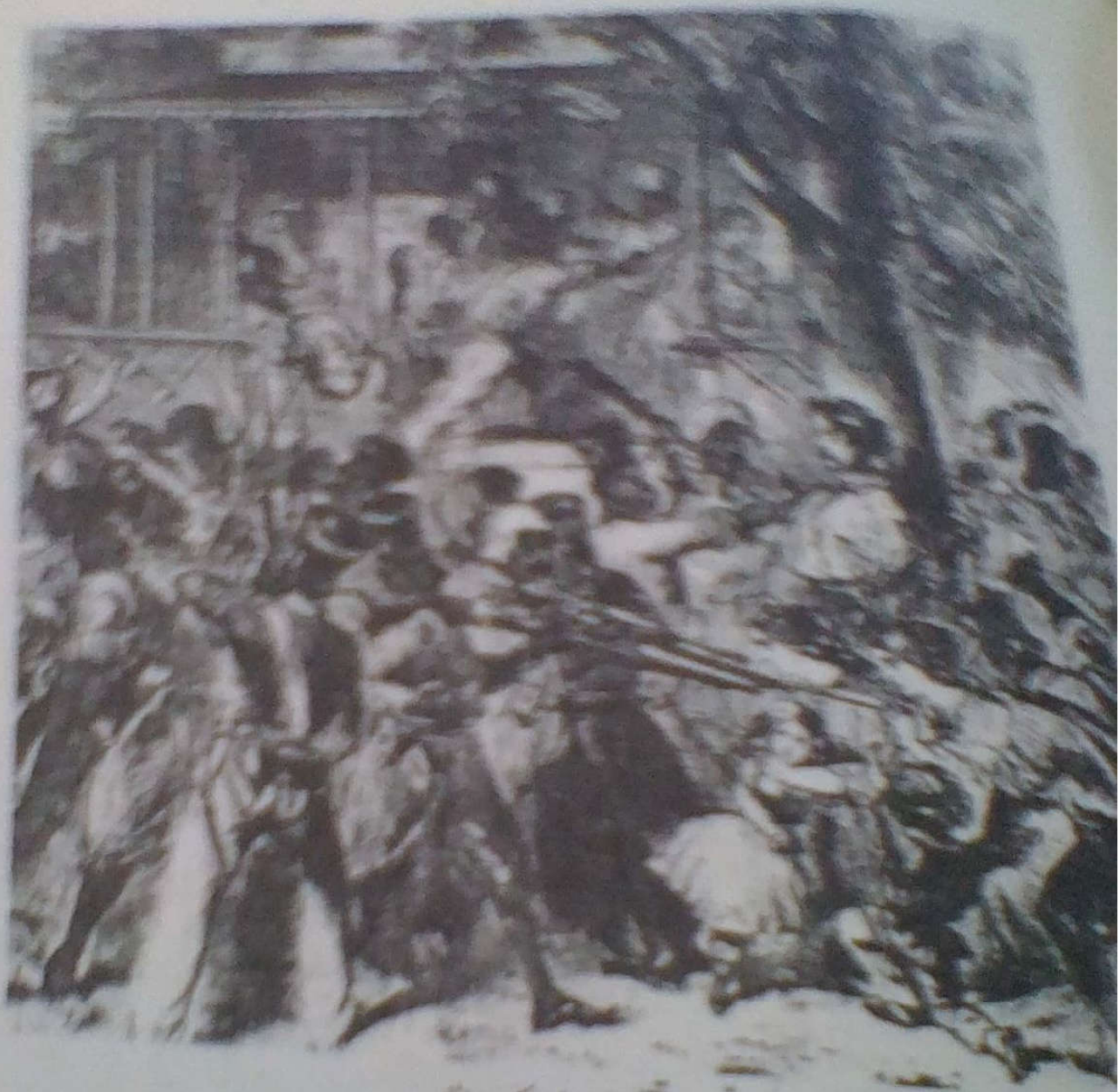

دلّی میں قتلِ عام کا ایک منظر

Scanned by CamScanner

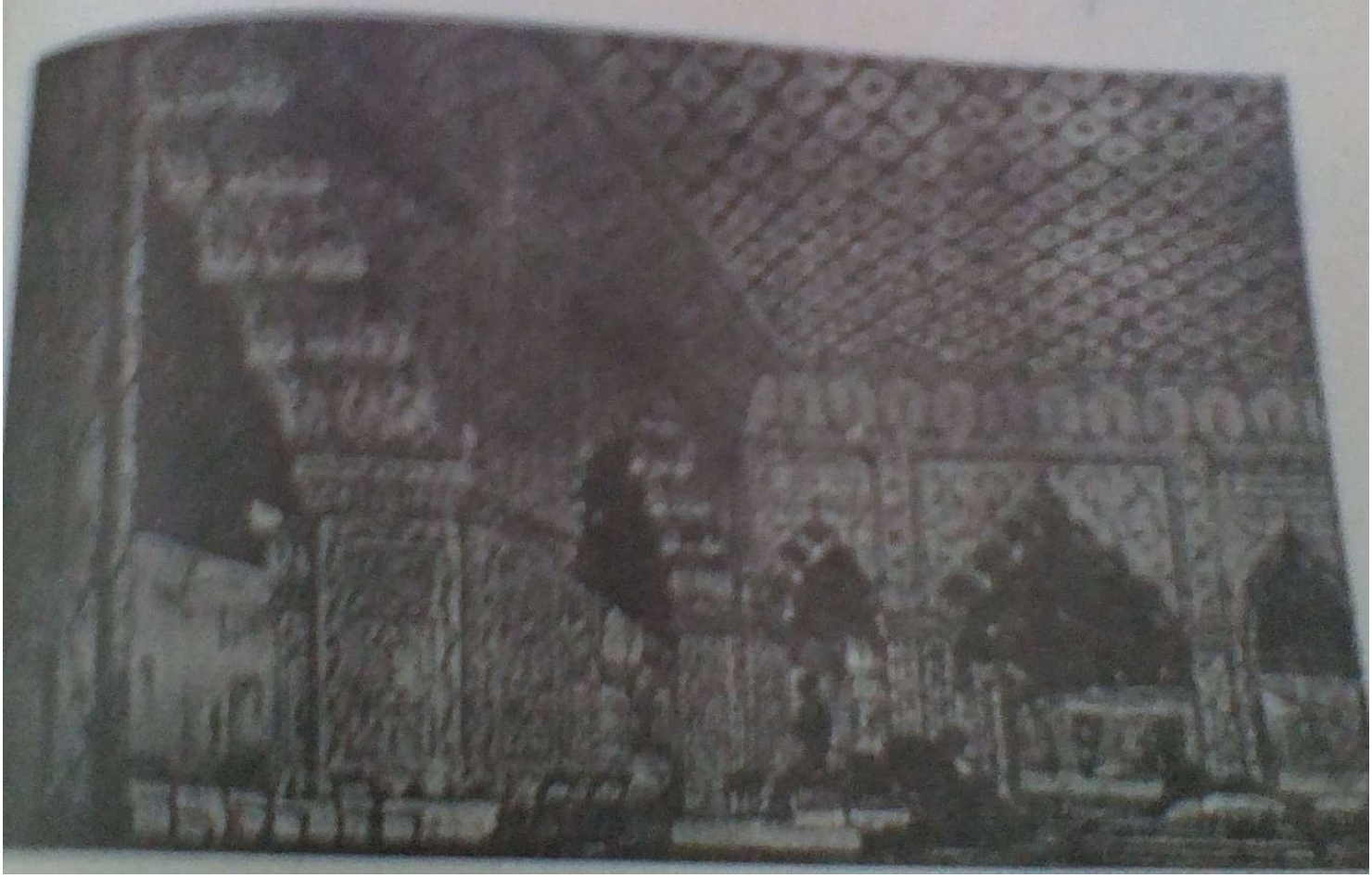

Scanned by CamScanner

کشتیوں کا پل

Scanned by CamScanner

فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ

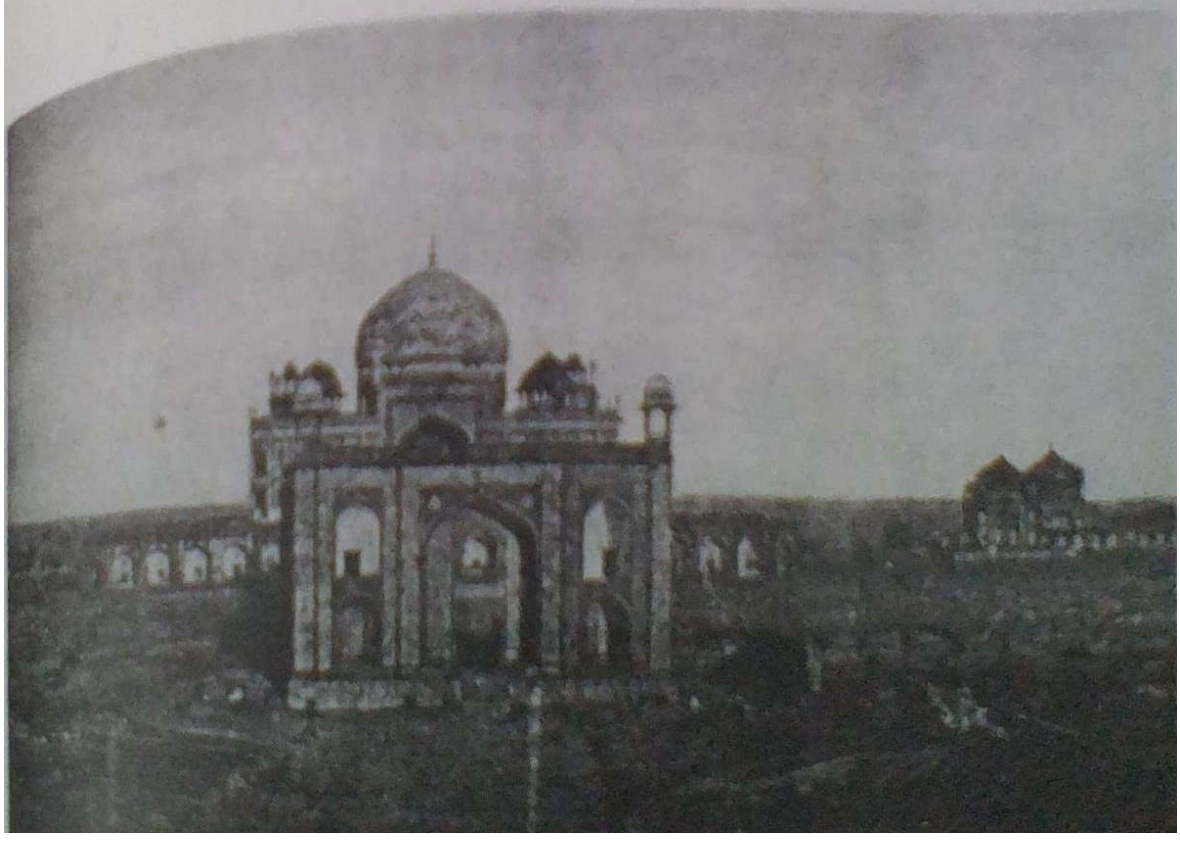

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

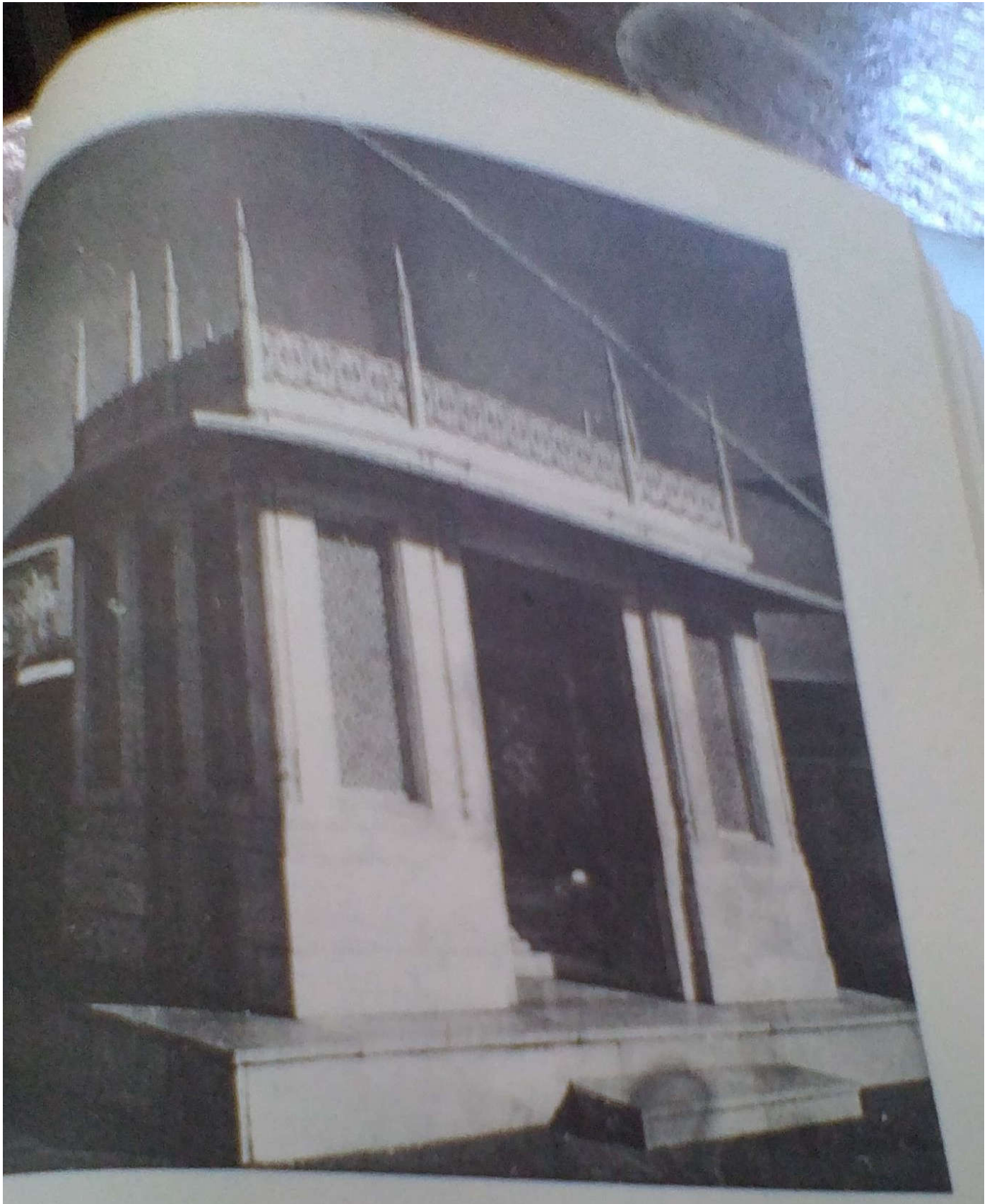

مقبرۂ غالب

Scanned by CamScanner